

# DELHI UNIVERSITY LIBRARY

Cl. No. 0168, 3] NICA, 12 <sup>EPU</sup> N41

Ac. No. E1865

Date of release for loan

This book should be returned on or before the date last stamped below. An overdue charge of 0.6 nP. will be charged for each day the book is kept overtime.

23 MAR 1992

23 JUN 1995



DELHI UNIVERSITY  
LIBRARY





# سوانہ کی رو میں

میرزا بیگم عقیقاتی



(جلد حقوق محفوظ)

# سوانہ کی رو میں

سرزمین مارواڑ کی ایک انتہائی یادگار اور غناک ٹریڈی

کے پراسرار حقائق

یعنی

راٹھوروں کی ہاشمی بانگین! راجپوت کماریوں کی جرات کے کارنامے ان کے حسن و جمال کی رعنائیاں اور فسونِ محبت کی دلکش سحرکاریاں۔ رزمِ نیرم کی ہوشربا داستانِ جگرپاش اور جاسمِ واقعاتِ حسن و عشق کی نوین داستان۔ ایک خفاک اور دلکش دینے والی دلہن اور بیٹی۔ ایک طراوت کا نئے فلم کی

مرزا عظیم بیگ جٹائی بی بی اے ایل ایل بی (عیلک)

مصلحہ کا پتہ نظامی بک ایجنسی، بی بی (یو پی)

(مطبوعہ نظامی پریس ایون)



## پیش لفظ

”سیوانہ کی رو میں“ چغتائی صاحب کا بے مثل شہ پارہ ہر ستمبر ۱۹۵۷ء میں ملین ہے۔  
 ملنے جو دھپور گیا تھا جہان کی فواضع انہوں نے اس طرح کی کہنے دیر لگی مضمون سانی کیلئے  
 لکھ دئے مجھے روکنے کی انہیں یہ نوکھی ترکیب تھی کہ رات کو کسی کہانی کا پلاٹ سناتے  
 اور پھر کہتے کہ ایک دن اور رک جاؤ تو یہ کہانی اور لکھیں غرض میرے ایک ہفتہ کے  
 دوران قیام ہی میں انہوں نے دس بارہ نہایت عمدہ افسانے مجھے لکھ کر دیے جو میں سوچے  
 چغتائی بھنر کی اشاعت کا خیال آیا جو چند روز بعد میرے اضافے کے ساتھ یکم اکتوبر ۱۹۵۷ء  
 کو شائع ہوا۔ ”سیوانہ کی رو میں“ چغتائی صاحب کے تخلیقی مفامین کا سب سے اچھا نمونہ ہے  
 دوسری بات یہ دیکھنے کی ہے کہ چغتائی صاحب نے بہت طرفت نگار تھے لیکن جب ٹریڈیو  
 لکھتے تھے تو اتنی موثر کہانیاں لکھ نہیں سکتے تھے ”سیوانہ کی رو میں“ مرزا صاحب کی حزن  
 نگاری کا شاہکار جو کہانی اتنی دلکش ہے کہ غالباً ان کی کوئی کہانی اتنی دلکش  
 نہیں۔ مارواڑ کے رزم و بزم کے واقعات اور ان کی جھپٹ تصویر کشی کے لحاظ  
 سے یہ چھوٹی سی کتاب اپنی نوعیت کی پہلی چیز ہے اور غالباً آخری بھی۔ کہ اب سرز  
 ار وار کو چغتائی جیسا سپوت میسر نہیں آ سکتا۔

شاہ احمد

دلی مورخہ ۵ نومبر ۱۹۵۷ء



زمر بنکار اکھوڑ  
راکھوڑی کھانڈے کو نام

صدیوں تک جس نے گورگانی تینے کا ہاتھ بٹایا ہے

بصارت خرام و عقیدت  
عقیدت کیش

عظیم بیگ چغتائی

”چغتائی مندر“ جو دھپور

۲۴ اگست ۱۹۳۵ء

# سوانہ کی رو میں

سوانہ کی پراسرار پہاڑیوں کے خوفناک غاروں اور بلند چوٹیوں کے  
 نشیب فراز میں گزر لوگوں کو سفیدیلیاں دکھائی دیتی ہیں جو عموماً کسی  
 ناخوشگوار سانحہ کا پیش خیمہ ہوتی ہیں۔ اور وہاں گھومتا ہوا کوئی اگر ان  
 کو دیکھ لیتا ہے تو ہم کر بھاگ جاتا ہے۔ مگر دھنیاں کی طرف غور سے دیکھتا ہے  
 اور اس کو معلوم بھی نہیں ہوتا کہ انکی طرف دیکھنا خطرے سے خالی نہیں ہوتا۔ وہ  
 جانتا بھی نہیں کہ وہ ان کے پیچھے خود نہیں جاتا بلکہ جانے پر مجبور ہی اتفاقاً  
 میں نے بھی ایسی ہی ایک بلی دیکھی لیکن صر رسیا یہ بول بولے لیے پھر گزشتہ  
 سستے اور بہت سستے چھوٹے :-

لے ریاست جو دھپور کا مشہور نصیب جس کی گچھاؤں میں درگاہیں اٹھو رنے اونگے تیب  
 بے پوند ہوتی کو چھا دیا تھا اور چودہ برس تک وہیں پرورش کی ۔

زُڑ بِنکار اٹھوڑ  
راٹھوڑی کھانڈے کو نام

صدیوں تک جس نے گورگانی تبتہ کا ہاتھ بٹایا ہے

بصا احترام و عقیدت  
عقیدت کیش

عظیم بیگ چغتائی  
”چغتائی منرل“ جو دھپور

۲۴ اگست ۱۹۳۵ء

# سوانہ کی رو میں

سوانہ کی پراسرار پہاڑیوں کے خوفناک غاروں اور بلند چوٹیوں کے  
 نشیب و فراز میں کتر کوگوں کو سفید پتیاں دکھائی دیتی ہیں جو عموماً کسی  
 ناخوشگوار سانحہ کا پیش خیمہ ہوتی ہیں۔ اور وہاں گھومتا ہوا کوئی اگر ان  
 کو دیکھ لیتا ہے تو ہم کہ بھاگ جاتا ہے۔ مگر بعضی ان کی طرف غور سے دیکھتا ہے  
 اور اس کو معلوم بھی نہیں ہوتا کہ ان کی طرف دیکھنا خطرے سے خالی نہیں ہوتا۔ وہ  
 جانتا بھی نہیں کہ وہ ان کے عجیب و غریب جاننا بلکہ جانے پر محسوس ہوتا  
 ہے۔ میں نے بھی ایسی ہی ایک بلی دیکھی لیکن صر رہا کہ وہ بلی نے پھر کناشت  
 ستے اور بہت ستے چھوٹے :-

۱۵ ریاست جو دھپور کا مشہور قصبہ جس کی گچھاؤں میں درگاہیں اٹھوڑنے اور نگہ بست  
 کے پوتہ پوتی کو چھایا دیا تھا اور جو وہ برس تک وہیں پرورش کی ۔

— (۱) —

ای جینے کی ۹ تاریخ کا ذکر ہے کہ میں ایک کام سے سوانہ گیا۔ کام سحر فراغت حاصل کر کے سوانہ کے مشہور قلعہ کی طرف گیا۔ قلعہ کی پشت کی طرف پہاڑی کے ۲ امن ہیں دو رنگ چلا گیا۔ سرخ رنگ کی خاموش اور بہیت ناک چٹانوں کا ایک عظیم الشان سلسلہ جو دو رنگ چلا گیا ہوا اور قلعہ کے ارد گرد میلون مکے مانہ ماضی کی فوجی اور شاہی عمارتوں کے کھنڈر چلے گئے ہیں۔ یہ وہ مقام ہے جہاں علاؤ الدین خلجی کی فوجیں راجپوتوں سے بھرائی تھیں اور یہاں قلعہ کے اس پاس نہ معلوم کس کس زمانہ میں کیسے کیسے قلعہ اور محل تھے۔

یہ پہاڑیاں بھی عجیب و غریب ہیں۔ ان کی عجیب و غریب اور متیناں اور سارے ایک سُرستوں اور گچھاؤں کے طرح طرح کے افسانے مشہور ہیں۔ وسیع دہانہ کی ایک منگ میں آپ اگر داخل ہوں تو دو تین فرلانگ تک سیما سے چلے جائیے پھر کسی ایک عظیم الشان ہال ملے گا۔ جس کو قدرت کے ہاتھوں نے پہاڑی کے اندر ہی کاٹ کر بنایا ہے اور رستہ قمر کے رہنے والوں نے اپنے بھتہ داروں سے اس ہال کو اپنی رہائش کیلئے ٹھیک کیا ہے۔ کسی کچی ہوئی چٹان کو تراش کر تخت کا کام لیا ہے تو دیوار کے کسی گڑھے کو برابر کر کے الماری یا طاق کا کام لیا ہے۔ اب یہاں میں دیکھئے

تو چار پانچ منٹوں کے دہانے ہیں جو علحدہ علحدہ سمت میں چلے گئے ہیں۔ ان میں سے کسی میں جایئے آئے چل کر آپ کو پھر طرح طرح کے ہال یا کمرے اسی طرح کے ملیں گے۔ ان میں سے بعض میں آپ دیکھیں گے کہ حوض بنا ہے جو پانی سے لبریز ہے۔ یہ پانی اپنے قدیمی رستے سے بارش کے زمانے میں پہاڑ کی چوٹی سے رس کر آتا ہے پانی زیادہ ہو تو حوض بہہ نکلتا ہے۔ بس۔ بارش زمانہ پانی خشک ہو جاتا ہے پھر اس ہال میں سے بھی ادھر ادھر راتے چلیں گے۔ کوئی راستہ کسی تاریک اور خوفناک کھڑکیں جا کر ختم ہو گیا اور کوئی راستہ اس قدر چھوٹا ہو گیا ہے کہ اس میں سے جانے کی ہمت نہیں پڑتی لیکن بہت سے راستے ایسے ہیں کہ ان میں گھوڑا دوڑائے چلے جلیئے۔ اور بعض جگہ پہاڑی کے مشرق سے داخل ہو کر مغرب کی طرف چل جاتیئے۔ یہ تمام منگس قدرتی ہیں۔ صرف کہیں کہیں انسان کے کاریگر ہاتھ نے ان کو درست کر لیا تھا۔ میں ہلٹا ہلٹا دوڑتا چلا گیا۔ کوئی دلیل پرچا کر مجھے عمارت کا ٹوٹا ہوا حصہ بلندی پر نظر پڑا۔ ایسا کہ میرا جی چاہا کہ دیکھوں تو کہ اس شکستہ دیوار کے اُس طرف کیا ہے۔

بڑے بڑے پتھروں اور چٹانوں میں ہوتا ہوا ہیں اوپر چلا گیا۔ کوئی ادھی دوڑ گیا ہونکا کہ ایک عجیب و غریب معاملہ پیش آیا۔ ایسا کہ میں عمر بھر

کبھی نہیں جھوٹوں گا۔

—————  
نہ پتہ نہ پتہ

جاتے میں داپنے ہاتھ کو ایک طرف ایک تھوڑا سا سخت جان درخت تھا۔  
اُس کے پاس ہی ایک سفید رنگ کی پٹی کھڑی تھی اور جیسے ہی میں پہنچا ہوں کہ وہ  
بولی میں نے معاً اس کی طرف دیکھا کہ ایسی بلی بھلا یہاں کہاں سے آئی میرا دیکھنا  
تھا کہ وہ آہستہ سے مڑ کر چلی۔ نہ معلوم کیوں میں بھی اُس طرف بڑھا یہ دیکھنے کو کہ  
بکہ ہر جاتی ہے۔ ایک چٹان کا ستون کا ستون کھڑا تھا جس میں کوئی دو فٹ کی کنگر  
نچلی ہوئی تھی۔ بلی اس پر گئی۔ پاس ہی تھا لہذا میں بھی اس کنگر پر چڑھ کر دوسری طرف  
گھوم کر کھانا تو شکستہ چٹانوں کی ایک تنگ گلی سی ملی جو آگے ہی جا کر ختم ہوتی معلوم ہوئی۔  
بلی اس میں کئی لمبے میں بھی دس قدم بڑھا ہوں گا کہ کیا دیکھتا ہوں کہ بلی ایک چھوٹے  
سے غار میں گھس گئی۔ سامنے ہی غار تھا اور میں نے جو آگے بڑھ کر اُس میں جھانک  
کر دیکھا ہے تو۔ الامان!

—————  
تا یہی کہ میں ایک جنبش سی نظر آئی اور ایک انتہا سے زیادہ ضعیف آواز  
تا یہی کہ خوفناک پردوں سے لرزتی سی گئی۔ ایسی کہ میرے بدن کے رونگٹے

کھڑے ہو گئے، ”جے شری ماتاری“۔ راجپوتی سلام تھا۔ یہاں عادت ہے کہ راجپوتوں سے بسا اوقات یہ بھی سلام ہو جاتا ہے۔ میری زبان سے بھی جواب نکلا۔ ”جے شری ماتاری“ اور غور سے دیکھتا ہوں تو ایک عجیب و غریب سنی اس مختصر غار میں دیوار سے پیٹھ لگائے بیٹھی ہے۔

گندمی رنگ کا برہنہ بدن جو سب کا سب سفید رنگ کے میلے جھاڑ جن کاڑے بالوں میں الجھا سا پڑا تھا۔ چہرہ کا پتہ لگنا مشکل۔ بالوں کی الجھی ہوئی لٹوں کے درمیان سے دو آنکھیں چمک رہی تھیں جن میں سے ایک کا آدھا حصہ بھینوں اور سر کے پریشان بالوں سے چھپا ہوا تھا۔

————— (۲) —————

میں غور سے اُس کی طرف دیکھ رہا تھا کہ اُس نے اپنا لکڑی کی طرح خشک اور سُکھا ہوا مُردہ ہاتھ اٹھایا اور مجھے آنے کو اشارہ کیا۔ میں نے یہ سوچ کر کہ کوئی عبادت گزار سا دھوپ ہے اور بہتر ہے اس کی قدر مبوسیٰ حاصل کی جائے۔ اور بُلاتا بھی ہے۔ لہذا میں جھک کر غار میں داخل ہوا۔ دونوں ہاتھ چوڑ کر جس طرح مارواڑی بزرگوں کو سلام کیا جاتا ہے۔ میں نے جھک کر سلام کیا۔ اُس نے محبت سے سر کو جنبش دی اور قریب بیٹھنے کو کہا۔ میں بیٹھ گیا۔ میں نے غور سے اس



سادھو کو دیکھا۔ اُس کی آنکھوں میں غضب کی چمک تھی۔ میں دراصل اس کے بالوں کو دیکھ کر حیرت میں تھا ایک جنگل تھا کہ سر سے جُباؤں کی جُباؤں لٹکی ہوئی دُور تک زمین پر پھیلی ہوئی تھیں اور اُن کو سینٹ کردہ اُن سے ستر پوشی کا کام بھی لے سکتا تھا۔

سادھو نے صاف بیٹریاں پہنیں مارواڑی میں مجھ سے باتیں شروع کیں اور میرے لئے حیرت و آعجاب کا باب کھولی دیا اُس نے مجھ سے کہا:-  
 ”میں تمہارا جی مننون ہوں گا اگر تم ایک لاش کا گریا کریم کرنے میں مایہ دے سکو۔“

میں نے گھبرا کر کہا کس کی لاش؟  
 ”ایک غم نصیب ہستی۔“

میں نے سادھو کی طرف دیکھا۔ دراصل میں کسی طرح بھی کسی لاش سے سروکار نہیں رکھنا چاہتا تھا۔ بجائے ہاں ہوں کرنے کے میں نے کہا:-

”آپ یہاں اکیلے ہیں؟“

”ہاں میں اکیلا ہوں۔“

”کب سے؟“

سو کھ منہ سے بڑھے نے کہا: ”بہت دن ہوئے۔ اب کون سمت ہے؟“  
یہ سمر ۱۸۱۵ کا ذکر ہے جب میں یہاں آیا تھا۔“

دوسرے ۱۸۱۵ میں نے جو اس باختہ ہو کر کہا۔ اور یہ سمجھا کہ ضرور اس کی عقل خراب ہو گئی ہے۔ ”سمر ۱۸۱۵ میں آپ یہاں آئے تھے ابو نے دو سو برس پہلے! اب تو سمر ۱۹۹۲ ہے۔“

سادھو نے کہا ہاں سمت ۱۸۱۵ کی چیت باری چھٹ کو میں نے یہاں آسن جایا تھا میرا ختم سمر ۱۶۹۱ کا ہے اور اُس وقت میں تیس برس کا ہوں گا۔“

میں بھاگنے کی تہیہ اپنے دل میں اٹھا رہا تھا میں نے پھر ہی سوال کیا۔  
”آپ کون ہیں؟“

”میں سادھو ہوں اب تو۔“

”اب تو.....“

ہاں اب تو سادھو ہوں پہلے کچھ اور تھا جوانی میں۔“

”کیا تھے؟“

”سپاہی۔“

”پھر سادھو کیسے ہو گئے؟“

سادھو نے ایک ٹھنڈی سانس بھری ایسی کہ اُس کی سب کی سب پسلیاں چکنے لگیں اور اُس نے مجھ سے کہا :-

”کہا کرو گے پوچھ کے؟“ ”نہیں بہتر ہے کہ میں تمہیں بتا دوں بلکہ شایہ ضروری ہے مگر یہ بتاؤ تمہیں تھوڑی بہت اس وقت فرصت ہو؟“  
میں نے کہا: ”ہمارا راج آپ ضرور سُنا ہے۔ اور یہ بھی بتائیے کہ اب تک آپ زندہ کیسے ہیں؟“

سادھو نے متعجب ہو کر کہا: ”زندہ؟ زندہ ہوں میں! اوہو اب تم ذرا اطمینان سے بیٹھو اور سُنو۔ سب معلوم ہو جائے گا کہ میں اب تک کیسے زندہ ہوں۔“ سادھو نے اپنا قصہ صاف مارواری میٹر تیر لہجہ میں شروع کیا جس کا مطلب یا ترجمہ حسب ذیل ہو جو پیش کرتا ہوں۔

# بانی تھری جاڑی پچی جی

میرا نام میٹرنیا امر سنگھ ہے۔ میرا باپ راکھو جی سوچت کے قلعہ رار دیپ سنگھ جاڑی پچہ کی نوکری میں تھا۔ دیپ سنگھ کی اور میرے باپ کی پُرائی دہستی تھی بلکہ بھائی چارہ تھا اور دونوں بچوئی بال بھائی تھے۔ میرا باپ غریب تھا بخیر دیپ سنگھ جاگیر دار اور قلعہ رار تھا۔

سوچت کے قلعہ کے پشت کی پہاڑیوں میں ایک بلند چوٹی پر دیپ سنگھ کا محل ہے۔ دیپ سنگھ کے سوچی بچے اسی محل میں رہتے تھے محل بنی ایک اچھا خاصہ قلعہ ہے۔ تمام تر رکھا ہو گا۔

میں نے کہا ہمارے سوچت کا عظیم انسان قلعہ گرنے میں مل گیا۔ میں سوچت لے جاڑی پچہ راجپوتوں کی مشہور ذات ہے۔ ہر جاڑی پچہ کی ترکی جاڑی پچی جی کہلاتی ہے۔ مشہور کرکٹ کھلاڑی رنجی نادان مگر کے راجہ جاڑی پچہ تھے۔

۵۰ ریاست جو دھپو کا حصہ ہے جو بی سی ائی ریلو کی پر سوچت روڈ کا اسٹیشن ہے۔ قلعہ میں ذکر ہے اچھروالی شکر کے کناکے ہی ہے۔

میں بہت رہا ہوں اور قلعہ میں کھیتی ہوتی ہے، غلوں اور کھنڈروں میں گیڑوں کا شہر آباد ہے اس کی پشت پر بھی مجھے تو کھنڈر ہی کھنڈر نظر آتے ہیں۔ باں قلعہ کے قریب شری چوانڈاجی کا استھان البتہ قائم ہے۔“

سادھونے شری چوانڈاجی کے نام پر دونوں ہاتھ جوڑ کر اترام کی اٹھائے

اور پھر مجھ سے پوچھا:-

”تم نے ان کے درشن کئے ہیں۔“

میں نے کہا۔ ”جی ہاں میں تو صبح کو دوسرے تیسرے روز جاتا تھا ادھر تب درشن بھی کرتا تھا۔“

سادھونے کہا۔ ”افسوس ہے نام مالک۔ ہاں اسی محل کا ذکر کر رہا ہوں جس کو تم بتاتے ہو کہ ضلع ہستی سے مٹ گیا میں اسی محل میں بڑھا اور پلا اور جوان ہوا ہوں جس کے خوفزدہ کھنڈروں کو دیکھ کر تم وحشت زدہ ہو گئے ہو ذرا مجھے تفصیل کے ساتھ بتاؤ کہ اس گہوارہ عشرت کا اب کیا حال ہے۔“

میں نے تفصیل کے ساتھ سوچتے قلعہ اور اس کے گرد و نواح کے تمام

لے راٹھوروں کی خاص غامضانی دی۔

کھنڈروں کا سا راحال بتایا جس کی تفصیل کی یہاں چنداں ضرورت نہیں۔  
 اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے کہ اُس نے میری آنکھوں کے ساتھ محلوں کی تصویریں  
 دی اور میں نے اس جگہ تصویر کو بگاڑ کر موجودہ کھنڈروں کی تصویر پیش کر دی  
 جہاں تک عبرت کا سوال ہو، ہم دونوں نے عبرت حاصل کی۔ اُس نے کم میں نے  
 زیادہ۔ اس کے جملہ معترضہ کے بعد۔ میں پھر سادھو کے قصہ کو بتاتا ہوں۔  
 سادھو نے اپنا قصہ پھر شروع کیا :-

”.....“ دیپ سنگھ جی رات کو سو جت کے قلعہ میں رہتے تھے اور  
 صرف دن کو اپنے محل میں تھوڑی دیر کے لئے آتے تھے۔

دیپ سنگھ کی ٹھکانہ پانی پور میں تھی۔ میں نے سو جت ہی میں ہوش سنبھالا  
 میرے پتا جی محل کی دیوڑی کے سردار اور محل کے غنہگار تھے۔ ٹھکانہ دیپ سنگھ  
 کے سوائے ایک لڑکی کے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ اس لڑکی کا نام پھول کنور تھا اور  
 محل میں سب اُس کو ”شری بانی جی“ بھی کہتے تھے۔ میں بھی چونکہ ایک نوکر کا لڑکا تھا  
 لہذا میں بھی اُن کو بانی جی کہتا تھا۔

لے راجپوتوں کی قوم ہاڈار۔

بائی شری جارجی چھوٹی عمر سے میرے ساتھ ہی کھیلی ہوئی تھیں۔ ان کو گھوڑے کی سواری سے بہت شوق تھا اور محل میں ان کے لئے گھوڑے دوڑانے کا میرا ان بنوا دیا گیا۔ ابھی دس بارہ برس ہی کی عمر تھی کہ نو عمر بائی شری جارجی جی سچا ہیروں کی طرح نیزہ بازی کرنے لگیں۔

بائی جی عمر میں مجھ سے چھ یا سات سال چھوٹی تھیں۔ جب وہ بارہ برس کی ہوئیں تو میں اٹھارہ برس کا ہوا اور اب میں ان کے ساتھ نہیں کھیلتا تھا اب خا۔ الی شان کہئے یا باہمتی ہی وہ زمانہ تھا کہ نو عمر بائی جی میرے خیالوں میں پس کر رہ گئی بھلا غور تو کیجئے کہ کہاں ایک معزز ٹھاکر کی خوبصورت اور پڑھی لکھی لڑکی اور کہاں ہیں۔

بائی جی بڑے پردہ نہیں کرتی تھیں علاوہ اس کے یہ بھی میں جانتا تھا کہ وہ میرا خاص خیال کرتی تھیں مجھے سب لوگ امر کہتے تھے اور بائی جی بھی پچارتیں تو امر جی کہہ کر پچارتیں۔ یہ ان کو بد نتیجہ نہایت ہی ادب سے جھک کر دونوں ہاتھوں سے تسلیم دیتا تھا اور میں دیکھتا تھا کہ وہ میرے موڈ یا نہ دستور کو پسند کرتی تھیں۔

وقت گزرتا گیا اور بائی جی کی دلکش تصویر کا نقش میرے دل پر اور بھی

گہرا ہوتا گیا حتیٰ کہ سچ محو وہ آنکھوں اور ولی میں بس گئیں بجز ان کو مطلق علم نہ ہو سکا کہ میں ان کے عشق میں مبتلا ہوں۔

(۲)

بالی جی کو تیرنے کا بھی بہت شوق تھا چنانچہ اسی کے دشمن کو تو اکثر جاتی تھیں لیکن کبھی کبھی چوانڈا جی کے استھان کے نیچے جو نختہ جھیل ہے اس میں نشان بھی کرتی تھیں۔ چاروں طرف پہرہ لگا دیا جاتا تھا اور محس کی دو چار عورتیں اور ڈاؤڑھیاں (خوجہیں) ساتھ ہوتی تھیں۔ اس موقع پر بالی جی اپنے تیرنے کے شوق کو پورا کرتی تھیں۔

ایک دن کا ذکر ہے کہ صبح کوئی دو گھنٹی دن دھلا ہو گا کہ سو جت کے قلعہ محس کی طرف روانہ ہوا۔ خیال آیا کہ لاؤ چوانڈا جی کے دشمن کراچلوں لہذا پہاڑی پر سے جو راستہ چوانڈا جی کو جاتا تھا اس کی طرف چلا۔ اصل راستہ ایک موٹا سا پتھر کی جھیل کی طرف سے ہے۔ لیکن میں نے یہ سوچا کہ پتھر کا ٹکڑا اُدھر کون جائے۔ لاؤ اسی طرف سے پہاڑی پر چڑھ جاؤں۔ چنانچہ تم نے بچھا ہوا راستہ نہ صرف ناموار ہے بلکہ بعض جگہ بہت دشوار گزار ہے۔ لیکن میں جو ان تھا پھر سے میں چڑھتا چلا گیا۔ استھان پر پہنچ کر میں نے چوانڈا جی کے دشمن کے اوڑھیں



اصلی راستے سے جانے لگا تو مجھے ایک چارن روکا اور کہا کہ اُدھرت جاؤ۔  
 بانی جی اُستنان کر رہی ہیں اور پہرہ لگا ہوا ہے۔ تم کدھر سے چڑھ آئے ہو؟ اس کے  
 منہ سے یہ لفظ، شکل ادا ہوئے تھے کہ جھیل کی طرف سے عورتوں کے چنے بیلانے کا  
 شور برپا ہوا۔ بانی شری جاگنی جی ڈوب رہی تھیں اور تمام عورتیں چیخ رہی تھیں۔  
 ”بانی جی ڈوبے ہے۔ بانی جی ڈوبے ہے“ کسی کے ڈوبنے کی خبر سن کر ویسے ہی  
 ہوش خطا ہو جاتے ہیں اور بالخصوص میرے لئے یہ خبر پیغامِ موت سے بدتر تھی۔  
 ہنایا یہ جو اس ہو کر میں راستے کی طرف دوڑا مگر تھوڑی ہی دور جانے پایا تھا  
 کہ مجھے پہرے کے سپاہی نے روک دیا اور باوجود میری کوشش کے اُس  
 نے جانے نہ دیا۔ مجبوراً میں پھر پلٹا اور اوپر اُس کی استھان کا دیوار پر چڑھ گیا  
 اور دیوار سے کود پڑا۔ دیوار چار پانچ گز اونچی تھی۔ اور یہاں سے باطل ناہموار  
 ڈھال پرستے پتھروں میں سے ہوتا ہوا سانسے چٹان پر پہنچا اور یہاں سے  
 جو نظارہ میں نے دیکھا اُس نے مجھے پاگل کر دیا۔ بانی جی واقعی ڈوب رہی تھی  
 اور کنارے کی عورتوں کی رسائی سے بہت دُور تھی میں دیوار سے وارن چٹان  
 پر سے اُٹھ کر نیچے والی چٹان پر پہنچا۔ یہاں تم نے دیکھا ہو گا دُور تک  
 کھلا ہوا راستہ چلا گیا ہے۔ پہاڑی کے سہارے سہارے اس راستے پر میں دوڑا

چلا گیا اور تیزی سے اس لگہر پر پہنچ گیا جو ایسی تھی کہ جس پر سے گود کر میں  
 جھیل میں گر سکتا تھا۔ چنانچہ عورتوں کے بے ہنگام شور و غل میں ہمت کر کے  
 میں نے ایک جہت لگائی اور کوئی پچیس گز کی بلندی پر سے بساھا جھیل میں  
 کود پڑا۔ گرنے کے زور میں نیچے تک ڈوبتا چلا گیا لیکن پھر مجھے پانی نے اوپر بھینکا تو  
 میں نے دیکھا کہ فاصلہ پر بانی جی پانی سے آخری زور آزمائی کر رہی ہیں اور ماہد  
 کے لئے چیخ رہی ہیں۔ میرے جھیل میں گرنے سے عورتوں کا شور و غل ایک دم سے  
 بنایا ہو گیا تھا اور میں نے وہیں سے آواز دی۔ ”بانی جی گھبرا مت یہ لڑتا ہوں“  
 اور یہ کہتے ہوئے جس قدر بھی مجھ سے تیزی سے ہو سکا پانی کو میرا تھوہا بانی جی  
 کے پاس پہنچا۔ بانی جی کا بُرا حال تھا اور اُن پر سخت و سخت طاری تھی میرے  
 پہنچتے ہی وہ مجھ سے بُری طرح چٹ گئیں۔ ایسی کہ مجھے بڑا الحاح معلوم دیا کیونکہ  
 اُن کا لباس ضرورت سے زیادہ غیر ساتر تھا۔ میں نے بانی جی کو بائیں ہاتھ سے  
 اپنی گود میں بٹھالا اور اُنہوں نے میری گردن میں چمٹ کر اپنا ہاتھ حائل کر دیا۔  
 اور ایک ہاتھ اور پاؤں سے میں پانی کاٹ کر کنارے پر پہنچا اور بانی جی کو اُنکی  
 ڈاؤر بھینوں کے سپرد کر کے جھیل میں پانی آنے کی نچتہ موریوں میں سے گھس گیا اور  
 جا کر قلعہ کی موریوں کے پاس نکلا یہاں پہنچ کر میں نے اپنے کپڑے بچھڑے

اور محل میں چلا آیا۔ بانی جی کو جس وقت میں پانی میں سے خیر تا ہوا لایا تھا اُس وقت میں نے اُن کے ساتھ ایک گستاخی بھی کی تھی یعنی اُن کے رُخا کو چوم بیا تھا۔ یہ خطا مجھ سے ایک بے بسی کے عالم میں سرزد ہو گئی تھی۔ لیکن بانی جی نے مجھ سے کچھ بھی نہ کہا۔ مبرا بھی نہ مایں بلکہ شرمناکراپنا رُخسار میری گردن میں چھپا لیا۔ لیکن رفتاً مجھے احساس ہوا تو میں نے لجاجت کے ساتھ اُن سے معافی مانگی اور کہا ”اگر آپ کو بُرا معلوم ہوا ہو اور آپ اس گستاخی کو معاف نہ کر سکتے ہیں تو میں بہتر سمجھوں گا کہ آپ کو کُنا رے پر پہنچا کر بطور رمز اسی پانی میں ڈوب مروں“ بانی جی نے مُنہ سے تو اس کا جواب کُچھ نہ دیا۔ لیکن میں پُرسچ کہتا ہوں کہ اُن کی آنکھوں نے نہ صرف مجھ سے یہ کہہ دیا کہ ایک سرے سے اولیٰ توبہ کوئی خطا ہی نہ تھی اور تھی بھی تو میری نہ کہ تیری! اور جب میں نے اُنہیں کُنا رے پر پہنچایا ہے تو پھر اُن کی آنکھوں نے اسی بات کی دوبارہ تصدیق کی اور وہ بھی اس پیرائے میں کہ مجھے معلوم ہوا کہ خطا کا سوال ہی نہ تھا۔

قصہ کو اس طرح مختصر کرتا ہوں کہ کسی دوسرے کو کانوں کان خیر نہ ہوئی  
ایہ طرفین یعنی میں اور بانی جی ایک دوسرے کے ہو کر رہ گئے۔

میں چونکہ محل ہی میں رہتا تھا اور مجھ سے پردہ بھی نہ تھا انہی عشق کی کہانیاں اور بھی جلا مرتب ہونے لگیں۔ نتیجہ یہ کہ بانیِ حقی خود میری محبت میں چور ہو کر رہ گئیں عورت کی محبت نہ صرف ایک دولت ہے بلکہ ایک ایسی نعمت ہے اور ایک ایسی پرندوں چیز ہے جو ان کی نہ صرف رنگینی بلکہ زبردست قوت کا احساس آدمی کو کچھ سے کچھ بنا دیتا ہے۔ مگر یہاں یہ حال تھا کہ میں ایک دینی چاکر اور وہ ایک زبردست قلعہ دار اور جاگیردار کی جیبتی بی بی۔ چنانچہ ان امور کو نظر رکھتے ہوئے مجھے اندیشہ تھا کہ ضرور کسی نہ کسی دن یہ رنگین محبت بُرے دن دکھائی

جالتورے قلعہ دار کا ایک نوجوان لڑکا تھا۔ اس کا نام دلاور سنگھ تھا۔ یہ ایک بُرا بچلا اور شیر دل جوان تھا۔ عموماً لوگ اس کو 'دل جی' کو بنا دتے نام سے پکارتے تھے۔ جب شیر بانیِ حقی کی عمر چودہ بنا رہے برس کی ہوئی۔ اور یہ وہ وقت تھا کہ میں ان کی اور وہ میری محبت میں فنا ہو رہے تھے کہ بانیِ حقی کے والد بیمار پڑ گئے۔ بچنے کی جب کوئی آس نہ رہی تو انھوں نے یہ وصیت کی کہ میرا

لہ جو دھو پور کا قلعہ دار تھا نہایت حکمران تھا۔ علاوہ الہ بن علی نے نور زماں کی قس۔  
 لہ جو دھو پور میں جو نہ بانی کی اولاد میں ہیں کو نہ بانی کو نہ بانی کے بھائی کے جنہوں جو دھو پور رہا۔

قلعہ نئی محل اس پاس کی زمین کے دل جی کو بناؤت کو دیدیا جائے اور میری لڑکی بھی اسی کو بیاہ دی جائے۔ چنانچہ اس بارے میں انہوں نے دل جی کے باپ کو ایک خط بھی لکھ دیا جو ان کا بڑا دوست تھا۔ بائی جی کے والد کا وصیت کے پتہ پر وہ دن کے اندر ہی انہر انتقال ہو گیا۔ ان کے صرف ایک ہی ٹھکرا انی ہاڈی جی تھیں جو ان کی جیسا میں بڑھ کر سستی ہو گئیں۔ اب صرف بائی جی رہ گئیں اور جالور والوں نے ان کو قلعہ کی کھیاں اپنی تحویل میں لے لیں اور بے سوختہ سم ہونے کے جالور والوں نے شری بائی جی سے شادی کی تمہید اٹھائی۔

میرے لے یہ وقت اتہا سے زیادہ سخت تھا۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ میں چپکے سے رات کے وقت ایک ایسی جگہ جا پہنچا جہاں بائی جی مجھے اکیلے لگئیں۔ اور میں نے حال دل اسٹنا کر فریاد کی تو انہوں نے کہا کہ ”میں عورت ہوں تم مرد ہو یہ نسبت تمہارے ہیں زیادہ محبوبہ ہوں“ میں یہ سن کر اور ان کو اپنی محبت میں متزلزل سمجھ کر واپس چلا آیا۔ لیکن نہیں میرا خیال غلط تھا دوسرے ہی دن محل میں ایک تہلکہ سا ہوا گیا۔ یہ واقعہ تھا کہ بائی جی نے کو بناؤت سے شادی کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ اس قصے نے ایسا طول کھینچا کہ سارا محل زیر و زبر ہو گیا۔ بائی جی کا کہنا تھا کہ ”میں کسی سے بھی شادی نہیں کروں گی۔ میں تو پشکے کے مال پر جا کر فیوہی

لے یوں گی۔“ لاکھ عورتوں نے سمجھایا۔ بچھایا۔ بکھایا۔ نہ مانی اور اس دوران میں  
 کو بناتوں نے جو یہ خبر سنی تو جاتوڑ سے ایک دستہ بیکہ سیدھے محل کی طرف  
 دوڑ پڑے اور قلعہ کے ہر شعبہ اور محکمہ پر قبضہ کر کے باقی جی کے رنگ محل کے ارد گرد  
 گھیر ڈال دیا۔ مطالب یہ کہ یوں راضی خوشی نہیں تو زبردستی شادی کر لیں گے۔  
 چنانچہ خود نو جوان کو بناوت بھی آگیا۔ اور باہر اُس نے ڈیرے ڈال دیئے اور  
 اس کے بعد کو بناتوں نے محل کی تمام بار سوج عورتوں کو اپنی طرف ملا کر باقی جی  
 پر جائز و ناجائز دباؤ ڈال کر اُن کو اپنے باپ کی وصیت پر عمل کی ترغیب  
 دلائی شروع کی۔ مجھے کو بناتوں سے نفرت ہو گئی۔ کیونکہ علاوہ رقیب نے  
 کئے کو بناتوں نے سب سے پہلے میرے باپ ہی کو نکالا تھا چنانچہ میرے والد کو کال  
 چلے گئے لیکن میں نہ گیا اور جا بھی کیسے سکتا تھا۔ بڑی سخت کشمکش اور رد و قدح  
 کے بعد باقی جی کو چھ ماہ کی مہلت ملی تھی کہ اس دوران میں جو کچھ بھی سوچ بچار  
 کرنا ہے سوچ سمجھ لیں۔ اور اس مہلت ملنے کے بعد ہی سوچت چھوڑ کر میں اپنے  
 گاؤں آیا تھا اور اس فکر میں تھا کہ یا مدد و ستون کو جمع کر کے کسی طرح سوچت  
 لے چلوں اور جس طرح بن پڑے باقی جی کو نکال لاؤں۔ لیکن مجھے گھر آئے ہوئے  
 کوئی مین پکس دن ہوئے ہوں گے کہ میں نے ایک عجیب و غریب خیاب دیکھا۔

”کیا دیکھتا ہوں کہ بانی شری جاڑی جی سولہ سنگار کئے بال باقی تہی پڑے  
 حُسن و عشق کی محبتِ نضوبِ رنگ۔ محل کی سیرِ مہیوں پر کھڑی ہیں۔ اور دانتا ہاتھ اُن  
 کا اُن کے سامنے۔ اُننگلی اٹھی ہوئی، مشعل کی طرح جل رہی ہے جس کی تیز روشنی کا نور  
 اُن کے سُرخ و سفید چہرے پر ایک عجیب انداز سے پڑاؤ لگن ہے۔ ایسا کہ میں اُن کے  
 حُسنِ لافانی کو دیکھتا کما دیکھتا رہ جاتا ہوں مگر فوراً ہی جھٹک کر سلام کرتا ہوں  
 اور دونوں ہاتھ جوڑ کر پچھتا ہوں کہ ”بانی جی بھل.....“

ایک دم سے اُن کے حسین چہرے پر دلِ بالرزش سی ہوئی ہے اور مکر کر  
 کہتی ہیں ”امراجی یہ تہ باری محبت کی آگ ہے“

میرے سُننے سے ایک دم سے ایک لہرِ ذریعہ نکلی اور میں سوتے سے جاگ پڑا،  
 ایسا گھبراہٹ کہ اسی دن سوچت کی راہ لی۔ بانی جی نے سچ مجھے بتایا کر دیا۔  
 جب میں سوچت پہنچا تو معلوم ہوا کہ کوئٹہ دو توں نے قلعہ میں اپنی فوج کو گنتی  
 کر دی ہے اور محل کے چہر چہر پر پورا قبضہ ہے چنانچہ میں وہاں گیا تو مجھے  
 محل میں کسی نے گھسنے بھی نہ دیا۔ مجھ کو اُمیں نے سوچت میں قیام کیا۔

محل کے خاص خاص لوگوں اور رازدارہ درگاہوں سے ملنا تو معلوم ہوا کہ کوئٹہ  
 اور بانی جی کے درمیان بانی جی کی ایک رشتہ کی وادی پڑی ہے اور انہوں نے

انی جی کو اضعی کر لیا ہو۔ چنانچہ بہت جلد کو بناوت کی شادی بائی جی کو ہو جائیگی۔ میرے لئے یہ خیر نا قابل برداشت تھی اور اب میرے یہ سوچا کہ جان کھیل جاؤں میں نے خود کو بناوت سے ملنے کا ارادہ کیا مگر میں چاہتا تھا کہ کسی ایسی جگہ ملے جہاں یہاں کے تاثرات سے لوث نہ ہو۔ چنانچہ ایسا موقع پنا۔ رہ دن کے انا۔ رہی اندر بل گیا۔ کو بناوت کو کسی ضرورت سے جالور جانا پڑا اور جالور میں مجھے موقع ملا کہ میں کو بناوت سے تنہائی میں بات چیت کر سکوں۔

ایک درخت کے نیچے ہم دونوں کھڑے تھے۔ کو بناوت اپنے گھوڑے کی باگ ڈور پکڑے کھڑا تھا اور ہم دونوں میں باتیں ہو رہی تھیں میرا خیال تھا کو بناوت کو میرے اور بائی جی کے عشق و محبت کا علم نہ ہو گا لیکن یہ خیال غلط تھا کیوں کہ ملاقات ہوتے ہی پہلی بات جو کو بناوت نے مجھ سے کہی یہ یہ تھی :-

”تم ہاتھی سے گنا لینا چاہتے ہو؟ نتیجہ معلوم ہے؟“

میں نے کہا: ”آپ بڑے جاگیر دار کے کنواریں۔ آپ کو قلعہ چاہئے ہو قلعہ چاہئے ہو، لیکن یہ واقعہ ہے کہ آپ کو جاگیر کی نہیں چاہئے۔ آپ تو قلعہ کی لالچ میں بائی جی کو چاہتے ہیں۔ میں چھوٹا آدمی ہوں اور بہتر ہے کہ آپ کوئی اونچا گھر دیکھیں کیا آپ کے سے بانٹنے کو بناوت کے لئے کیا کرنا چاہئے؟“



پیسے کے زور سے اور حاکمیتوں کی تعداد کے زور سے جا ریجی کو جینا چاہتے ہیں۔  
کو بناؤت کا نو جوان چہرہ غصہ سے تہمتا اٹھا اور اُس نے عقارت آمیز لہجہ  
میں مجھے جھڑک کر کہا: ”یا اہل غلط ہنہ“

میں نے کہا: ”پھر آؤ ہم تم لو ار سے فیصلہ کر لیں۔“  
کو بناؤت نے جواب دیا: ”مجھے کوئی ضرورت نہیں کہ تمہارے ایسے  
رہا میوں سے لڑتا پھروں۔“

میں نے جل کر کہا: ”کنور صاحب! اچھی طرح سمجھ لیجئے اگر اچھا ہے میں کہ جا ریجی  
آپ کی ہو جائے تو مجھ سے جینا پڑے گی۔ اگر مجھ سے مقابلہ کی ہمت نہ ہو تو  
بہتر ہے کہ اس کا خیال دل سے کمال دیجئے۔“

کو بناؤت بولامیری تلوار غالباً تم جلیوں سے بہتر لوگوں کے خون پینے  
کے لئے نبی ہے۔ لہذا بہتر ہے کہ تم یہاں سے دور ہو میں فضول گوئی نہیں چاہتا! اور  
باد رکھو! اگر کہیں میں تمہیں وہاں آس پاس دیکھ لیا تو تمہارا سرتن سے جُدا  
نظر آئے گا۔“

آخری لفظ کو بناؤت کے منہ سے ادا ہوا ہے میں کہ اُس نے اپنے سامنے میری  
پُنت کی طرف اس طرح دیکھا کہ مجھے شہ ہوا کہ میرے پیچھے سے کوئی آتا ہے جسے اس

نے دیکھا ہے۔ سامنے کچھ فاصلہ پر کو بناوت کے دو آدمی کھڑے تھے اور دھر  
نظر ڈالی تو وہ غائب۔ لہذا کو بناوت کی نظر میری پشت پر پڑی ہو کر کہ میں نے بھی مڑ کر  
دیکھا میرا دیکھنا تھا کہ ایک دم سے کو بناوت کے وہی دونوں آدمی میرے دوزخگی  
تلواریں لے کر چھپٹ پڑے۔ اور کو بناوت نے کہا: "یہ سنا" مگر قبل اس کے کہ میرے اوپر  
حملہ ہو میں اٹھل چکا تھا اور میری دھال میرے بائیں ہاتھ میں تھی، اور سر وہی دائیں  
ہاتھ میں۔ دونوں نے ایک چھپٹ کے ساتھ میرے اوپر وار کئے۔ ایک کے وار  
کو میں نے دھال پر لیا اور دوسرے کے وار کو مجھے مجبوراً اپنی تلوار سے روکنا پڑا۔  
یہ دونوں آدمی زعلیوم کون ذات تھے مگر راجپوت نہیں تھے قبل کرنا چاہتے ہوئے  
مگر لڑنا نہیں جانتے تھے چنانچہ میں نے ختم زد نہیں کیا۔ ایک کا پیر کاٹ دیا اور دوسرے  
ازخو دھاک نکلا۔ اب میں کو بنات کی طرف لپکا لیکن کو بنات کھوٹے پر سوار چھوٹا  
تھا اور اس کے ہاتھ میں برچھا تھا۔ ایک دم سے اُس نے میرے اوپر گھوڑا ریل دیا۔  
میں نے مشکل اپنے کو بچا یا اور نہ اُس نے نیزے میں پرو لیا تو اب میں نے سر وہی کا ہاتھ  
ترچھا لگا کر نیزہ روکا۔ کو بناوت قہقہہ لگتا نکل چلا گیا۔ غائب ہوا جاتا تھا کہ  
مجھ سے مقابلہ آسان نہیں ہے اُس کا ساتھی دوزخ میرے پیچھے پیچھے آیا مگر  
قریب نہ آیا جس قدر جلد مجھ سے ہوسکا میں جا لور کر بھاگ کر سوچتا آیا اور یہاں

مجھے معلوم ہوا کہ بانی جی اب شادی کے لئے ہر چار طریقے دباؤ ڈال کر راضی کر لی گئی ہیں اور شادی کی تاریخ مقرر ہونا باقی ہے۔

میرزا ہر کو شیش بانی جی کو خط پہنچانے یا ان کا صحیح حال معلوم کر نیلے لئے بیکار ثابت ہوئی۔ آخر شش وہ دن آیا کہ محل توپوں کی گرج سے گونجنے لگا۔ کوئی بات کی شادی بانی جی سے ہو گئی ہیں مگر تیارہ گیا۔ اور اس نے جا رہی کو بغیر لڑے بھرے فتح کر لیا مگر نہیں۔ کیونکہ ممکن تھا میں تو ابھی زندہ تھا۔

صبح تین بجے شادی ہوئی تھی جس کا توپوں نے اعلان کیا تھا میں نے پانچ منٹ سے زیادہ انتظار نہیں کیا۔ رات ہی کو چل کھڑا ہوا محل کیا تھا ایک سنگین قلعہ تھا مجھے یہ قلعہ فتح کرنا تھا۔

میں قلعہ کی پشت پر پہنچا چٹان پھیل کر دیوار کی طرح کر دی گئی تھی اور مجھے اس پر چڑھنا تھا۔ لہجے کی کیلیں گاڑ گاڑ کر بڑی محنت سے میں چٹان کا بدترین حصہ مڑے میں چڑھ گیا۔ اس کے بعد پھر دشوار گزار اور خطرناک راستہ تھا تمام چٹانوں کی چڑی لگ رہی تھیں اور تین مقامات مجھے ایسے

چلے کرنا پڑے، جہاں میں دیوار سے چٹ کر گکھری کی طرح گزرا۔ صبح ہوئی اور صبح  
 نکل رہا تھا اور میں نے شاید ایک چوتھائی حصہ مسافت بھی طے نہ کیا تھا۔ دو گنہ  
 کی بلندی پر پہنچنے میں مجھے پورے تین گھنٹے لگ گئے تھے۔ مجھے معلوم تھا کہ گھنٹہ بھر  
 بچا ہی سامنے کھیتوں میں آدمی آجائیں گے۔ لہذا جلد سے جلد مجھے ایک منزل  
 اور چڑھ جانا چاہئے جہاں میں پوشیدہ رہ سکتا تھا۔ چنانچہ گھنٹہ بھر کی سخت  
 مشقت اور محنت کے بعد میں اس قلعہ کی پشت کی چٹان کی ایک منزل اور دو کرچکا تھا  
 یہاں سے میں بڑی تیزی کے ساتھ دیوار سے لگا لگا دوڑ کر چلا گیا اور یہی  
 جگہ پہنچ گیا جہاں سے قلعہ کی تعمیر شروع ہوئی تھی۔ اس جگہ تھوڑا اور  
 دو سو گریجیا درختوں کی دو چار بھڑیاں تھیں اور شام تک میں آرام سے جگہ سو گیا۔  
 میں اپنے ساتھ تھوڑا سا پانی لایا تھا اور تھوڑا سا کھانا۔ جب رات ایک گھڑی  
 آئی تو میں نے کمر سے کمنہ نکال لیا تھا۔ حال کر فضیل پر مارا۔ دوسری کوشش میں کامیابی  
 ہوئی اور چشم زدن میں دیوار پر پہنچا اور کمنہ ہی کے ذریعہ آہستہ سے لٹک کر  
 اندر پہنچ گیا۔ میں جس جگہ پہنچا ہوں یہ محل کے باغ کا سب سے اچھا حصہ تھا  
 اور جہاں میں ٹھہرا تھا اس جگہ سے سامنے بلندی پر درگم محل چمک رہا تھا۔ راتے میں تھوڑا اور  
 مٹی کے عظیم انسان ٹیلے تھے جو محل کی گڑھی تک بلندی ہوتے چلے گئے تھے۔

میں تھوڑا سی آگے گیا تھا کہ مجھے معلوم ہوا کہ رنگ محل کے ارد گرد کو بنا دو کا سخت پہرہ ہر کوئی آدھ گھنٹہ تک ادھر ادھر بھرتا رہا مگر کسی طرف سے مجھے راہ نہ ملی اور میں مجبور و اچانک ہو کر رنگ محل کی پشت کی طرف جا کر بیٹھ گیا اور وہاں سے میں نے نظر رنگ محل کے چھانک پر جا دی تاکہ جس وقت کو بناوت اندر داخل ہو تو محل میں گھس جاؤں۔

آدھی رات کے قریب محل کے صادر دروازے پر سینکڑوں مشعلوں کی روشنی نظر پڑی میں جانتا تھا کہ سب پہرہ داخل وقت میں تیز روشنی کو دیکھتے ہوئے وہی موقعہ بھٹکے گا اور مجھے ایسا بھی کہانا بھیرے میں میرے چلنے کی اگر آہٹ بھی کسی نے سُن لی اور روشنی کی طرف سے نظر ہٹا کر نا بھیرے میں اگر مجھے دیکھنا چاہے گا تو مائے چکا چوند کے خاک بھی نہ دیکھ سکے گا۔

مشعلچیوں کے جلوس کے ساتھ کو بناوت پوری رٹھوری شان سے اپنے مسلح سپاہیوں کے داخل ہوا ہر پہرے دار قہر زامتا شاد دیکھنے کو نہ صرف اپنی جگہ چھوڑ کر آگے بڑھ گیا بلکہ اپنے قریب والے کے پاس پہنچ گیا تاکہ اپنے سردار پر بھی طرح رائے زنی کر سکے۔ اس زربین موقع سے میں نے فائدہ اٹھایا اور ڈبیری صفائے محل میں داخل ہو گیا۔ سب راستے میرے دیکھ ہوئے تھے۔ اس طرف

اول اودیے بھی روشنی کم تھی اور جو دو چار شمعیں تھیں اُن کو میں بجھاتا ہوا نشت کے زینے سے محل کی پہلی منزل پر پہنچا۔ اور وہاں سے ایک کھڑکی میں سے نکل کر چھتے پر پہنچا۔ آگے راستہ صاف تھا۔ جالیوں میں پیر رکھتا ہوا اور چھجوں کو کپڑا ہوا محل کے لینا۔ ترین حصے یعنی تیسری منزل کی دُھر چھت پر جا پہنچا۔ اس چھت کے بچوں پرچ میں ایک بُرا سا روشنائی تھا جس کے اوپر ایک چھتری سی بنی ہوئی تھی۔ میں اس چھتری میں گھس گیا اور نہایت ہی خاموشی کے ساتھ میں نے اندر بھانک کے دیکھا۔

شروع جاڑوں کا موسم تھا۔ کمرہ دلہن کی طرح بجا ہوا تھا اور جیوت میں نے بھانک کے دیکھا ہے تمام داڑھیاں اور خدایتگاریاں میں منستی اور جہل کرتی کمرہ چھوڑ کر جا رہی تھیں کیونکہ کو بنا دتا رہا تھا چہم زن میں کمرہ بالکل خالی ہو گیا۔ بلکہ چاروں طرف سامنے چھت پر بے عورتیں نیچے چلی گئیں اور سناٹا پھا گیا۔ کافی دیر ہو گئی اور ٹٹا ایتھوراکہ اتنے میں ایک سہر سمرٹ کے ساتھ جاڑیچہ جی مجھے نظر آئی۔ سارا کمرہ چھاڑوں اور کنول کی روشنی سے جگمگا رہا تھا۔ عود، اگر اور لوبان کی خوشبوؤں سے سارا کمرہ جبکہ رہا تھا۔ اور جاڑیچہ جی جُن مجھ سولہ نگہار کے آراستہ وپیرستہ، بال بال موتی پر وے کو بناوت

کا انتظار کر رہی تھی۔ میں نے اُس کے حسین اور خوبصورت چہرہ کو غور سے جھار دیا اور فانیوں کی روشنی میں دیکھا۔ جُن خوبصورتی کے نور سے سارا چہرہ بکھر کر رہا تھا۔ اور ایک لرباسی لگی اُس کے چہرے پر اس طرح سُٹا تھی کہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ اُس کے اندرونی جذبہ بات کو یا کچل کے رہ گئے تھے طبیعت کی گریباوری کا اثر بوجہ دُشمن و سنگھار کے چہرے پر تھا۔ آنکھیں جلدی جلدی جھپک کر طبیعت کے اندرونی انتشار کو ہوا پر اکر رہی تھیں کہ اتنے میں کھسکا ہوا جاڑی جی کے چہرے پر ایک بجلی سی چمک گئی۔ کو بناوت آگیا، دروازے میں داخل ہوا۔ بڑی آہٹ بان سے شاندار صاف بنائے ہوئے ہیرے کی کلفی لکائے نہایت شان سے دو لہا بنا دیا ہوا جاڑی جی نے نرم سے سر جھکایا اور تھوڑا سا ٹر گئی۔ کو بناوت آہستہ سے اور گوشتِ احرام کے ساتھ جاڑی جی کی طرف بڑھا۔ اور جاڑی جی کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر سر جھکایا ہی تھا کہ بچوں بچ کرے میں نرم نرم غانچوں پر میں لایم سے کو دُڑا۔ اور اٹھٹے اٹھٹے میں نے کہا ”خبردار“

ایک بجلی تھی جو دُعا جاڑی جی اور کو بناوت پر گری مُنہ سے ایک بی ہوئی تھی نچلی اور کو بناوت بھونچکا سا رہ گیا۔ میں نے آگے بڑھ کر پُرزور مگر خاموش لہجے میں کو بناوت سے کہا ”خبردار! ابھی میں زندہ ہوں میں نہتا تیرے سامنے کھڑا ہوں۔“

پہلے میرے خون سے ہاتھ رنگ لے۔“ اور جاڑیچ جی سے میں نے کہا: ”دیکھو یہ تمہارے سامنے کھڑا ہے جس نے مجھ سے مقابلہ کرنے سے انکار کیا۔ یہ بزدل ہے جس نے اپنے نوکروں سے میرے اوپر بیچھے سے حملہ کر لیا اور پھر میرے سامنے سے بھاگ گیا۔“ پھر کو بناوت کی طرف متوجہ ہو کر کہا: ”کنور صاحب! میں اس وقت بہت سا کھڑا ہوں جو کچھ کرنا ہے کر لیجئے، اور میں آپ کے منہ پر کہتا ہوں کہ ان کو تم نے اپنے پیسے اور آدمیوں کے زور سے بسنا چاہا، مگر تم نے دیکھ لیا کہ میں موجود ہوں۔“

جاڑیچ جی نے کو بناوت کی طرف دیکھا۔ چونکہ میں نے سچ کہا تھا اور وہ ناپا میرے کہنے کی تکذیب کی متوقع تھی لہذا میں نے موقع کو دیکھتے ہوئے کو بناوت سے کہا: ”کو بناوت تم راجپوت ہو جھوٹ نہیں بولو گے لیکن اگر جھوٹ بول کر اپنی بات اوچی کرئی چاہتے ہو تو تمہیں اختیار ہے جو میں نے الزام دیے ہیں ان سے یا انکار کر دیا اقرار۔ اگر انکار کرو تو میں ابھی چلا جاؤنگا۔ دوسری بات یہ ہے کہ میں اب پھر تم کو ابھی مقابلہ کی دعوت دیتا ہوں۔ تم مجھ سے مقابلہ کرتے پٹے ڈرتے ہو۔ لہذا یا تو مجھ سے مقابلہ کرو ورنہ کہہ دو کہ مجھ سے مقابلہ نہیں کر سکتے اور میں جب چاہیہاں سے چلا جاؤں گا۔ تیسری صورت یہ ہے کہ تلو از نکال کر ابھی



میرا خاتمہ کر دو۔ یا ذلیل نوکروں کے ہاتھوں مجھے قتل کر دے تم جانتے ہو کہ ان تین باتوں میں سے رچپوت کس کو پسند کرتا ہے، مجھے جلدی جواب دو تا کہ قصہ ختم ہو۔“

کو بناوت بھی آخر رچپوت تھا۔ اسکی دلت اس کی بیوی کے سامنے ہوئی تھی۔ طیش میں آکر اس نے اپنی سر وہی اور تلوار نکال کر فرش پر پھینک دی اور مجھ سے کہا۔ ان دونوں میں سے چاہے سر وہی لیلے چاہے تلوار اور آجا میرے سامنے۔“

میں نے سر وہی اٹھالی اور اس نے تلوار ڈھال دونوں میں سے کسی کے پاس نہیں تھی۔ میں نے تجویز کی کہ سہری کے گول تکیے بجائے ڈھال کے مناسب ہوں گے۔ چنانچہ ایک تکیہ میں نے بے لیا اور ایک اس نے ہم دونوں آئے سامنے اُسے اور اس وقت میری نظر جاڑی جی کی نظروں سے چاد ہوئی میرے دل میں ایک برچھی سی لگی کیونکہ میں نے محسوس کیا کہ گویا وہ میرے طرز عمل کی دل میں تسکی ہے کہ میں نے اس کے جملہ عروسی کو میب۔ ابن قتال بنا دیا۔ ایک دم سے میرا دل ڈوب گیا اور میں نے سر وہی اور تکیہ پھینک دیا۔ اور جاڑی جی سے نرمی سے کہا۔ ”جاڑی جی مجھے معاف کرنا۔ میں نے خود غرضی کی۔ اگر کو بناوت میرا تھا بلکہ نہ کر سکتا اور مجھ سے ڈرتا ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ میں تمہاری زندگی تاراج

کرنے کے لئے اس طرح اٹھوں، کہنا میں جاتا ہوں یہ کہہ کر میں پلٹا کہ ایک دم سے  
 پلٹ کر کوئی بات نے میرا ہاتھ پکڑا اور کہا ”او میٹر تیار! جانا کہاں ہے؟“ تو یہ  
 چاہتا ہے کہ میرے منہ پر کالک لگا کر رفوچکر ہو جائے؟ اٹھا سر وہی ”یہ کہہ کر  
 مجھے آگے کو کھینچ لیا۔ میں نے پھر انکار کیا اور چپ کھڑا جاڑی کی طرف دیکھنے لگا۔  
 کوئی بات نے مجھے خاموش دیکھ کر پھر مجھے جھڑکی دی اور سر وہی اٹھا کر میرے ہاتھ  
 میں دی۔ تکیہ میں نے خود جھک کر اٹھا لیا اور ہم دونوں اپنی اپنی تلوار کا قبضہ پکڑ کر  
 اور جوش جواںی میں جھوم کئے بڑھے۔ اور بے شری جاڑی چلی جی ”میرے منہ سے نکلا  
 اچوڑم زردن بن تلواریں چمکنے لگیں۔ جاڑی چلی جی کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا۔  
 اور وہ پریشان ہو کر مسہری پر بیٹھ گئی اور ہماری جنگ کو دیکھنے لگی۔

کوئی بات زبردل نہ تھا، امیر تھا تلوار کا بھی دشمن تھا زیادہ تر ہم دونوں کے  
 دارغالی جا رہے تھے کیونکہ ڈھال نہ ہونے سبب ہم دونوں ایک دوسرے سے  
 نا صاف رہنے پر مجبور تھے لیکن تھوڑی ہی دیر میں ہم دونوں نے ایک دوسرے کو

---

لے سر وہی یہ نسبت تلوار کے زیادہ جھرا رہے ہوئے ہوتی ہے۔ راجپوت عموماً تلوار  
 کی بجائے سر وہی اور کھاناڈا زیادہ پسند کرتے ہیں۔

---

ہلکے ہلکے زخم ہو چکے تھے۔ میرے بہن بھائیوں کی نوک اُٹھتی ہوئی تھی اور کوہنات کے  
کے کنارے پر لگی تھی۔ پھر ہٹا چلا جاتا تھا اور کبھی وہ ہٹتا چلا جاتا تھا۔ ایک  
نقہ وہ مجھے ہٹاتا چلا گیا اور ایک دم سے اٹھیں کہ میرے سر پر ایک سخت ضرب لگائی  
میں نے تلوار دالے ہاتھ اوتار کئے والے ہاتھ دونوں ملا کر تکیہ سے وار کو روکا۔ سگر  
تکیہ والے ہاتھ کی میری چنگلی اڑ گئی اور تھیلی کٹ گئی۔ مجھے داہنی طرف اُچھل کے  
آنا پڑا۔ کوہنات نے بھی میز ابدلا اور اب ہم دونوں اس طرح آمنے سامنے  
تھے کہ جاڑی جی کی مسہری کوہنات کی پشت کی طرف تھی اور میرے مقابل میں  
تھی لیکن اس میز سے پہلے آتے ہی کوہنات نے پھر ایک بھر پور ہاتھ مارا۔ میں نے  
یہ ہاتھ تلوار سے روکا اور روکتے ہی میں نے چھوٹ کے ہاتھ شروع کر دیئے ایسے  
کہ تین قائم کوہنات کو بچھہ ہٹنا پڑا۔ اور سر نہا کر جو میں نے کوہنات کے سینے میں  
سر دھکی کا ہولا دیا ہے تو اس نے تکیہ سے روکا۔ سر دھکی تکیہ کو چھید کر سینے کو توڑتی  
ہوئی پار لگ گئی اور کوہنات میرے ہونے کے زور سے جاڑی جی کے پاس ہی  
مسہری پر گر آ جاڑی جی کے منہ سے ایک پیچ نکلی۔ میں نے سر دھکی ہاتھ سے چھوڑ دی  
تھی جو کوہنات کے دل میں بھکی کی بھکی رہ گئی تھی۔ کوہنات نے منہ سے دھڑن چکیا  
لیں ارستہ ہو گیا۔ مجھ اعروسی میں خون ہی خون تھا اور مسہری کے ریشمین بستر پر

خون کا دریا بہہ رہا تھا۔ جاڑی جی اومیں دونوں بہوت کھڑے تھے اُس کو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے نکتہ ہو گیا۔ میری نظریں چارہ جوئیں اور اُس نے بھڑائی ہوئی آوازیں کہا۔ ”امرا جی تم نے مجھے بیوہ کر دیا۔“

”ہرگز نہیں“ میں نے کہا۔ ”ہرگز نہیں“ میں تمہارے سامنے موجود ہوں۔ تم میری ہو اور میں تمہارا ہوں جبر اور دباؤ سے شادی نہیں ہوتی۔ کو بیاد توں کے برتنوں کے اشوک پڑھ دینے یا ہون کر دینے سے شادی نہیں ہو سکتی۔ بہت اتم بیوہ نہیں ہو۔“

جاڑی نے کہا نہیں تم غلط کہتے ہو۔ مجھے کو بیاد تو سے نہ کبھی محبت تھی اور نہ ہو سکتی تھی اور یہ بھی تسلیم ہے کہ میری شادی زبردستی کی گئی۔ مگر میں یہ ہرگز نہیں کہہ سکتی کہ کو بیاد تو مر گیا اور میں بیوہ نہیں ہوئی۔ میں تم سے محبت کرتی تھی اور چونکہ وہ محبت لافانی تھی بہت اب بھی بدستور ہے لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ میں کو بیاد تو کی بیوہ نہیں اور اُس کی لاش کے سات نہ مل مروں۔ میں نے گھبرا کر کہا۔ ”یہ نہیں ہو سکتا؟“

اُس نے کہا۔ امرا جی یہ ہو گا اور میں نہیں اپنی لازوال محبت کا واسطہ دیکر کہتی ہوں کہ تم یہاں سے چلے جاؤ اور مجھے ایک سچی راجپوتنی کی طرح کو بیاد تو کی

لاش کے ساتھ جل مرنے دو تم جاؤ یہاں سے جلدی جاؤ۔ ورنہ مجھے اندیشہ ہے کہ تمہاری جان خطرے میں پڑ جائے گی۔“

میں نے کہا: ”کیا تم یہ سمجھتی ہو کہ میں تمہارے بے لگائی زندہ رہ سکوں گا۔“  
جاڑی جی نے کہا: ”میں جانتی ہوں کہ دُنیا کے پردے پر بس وقت مجھ سے محبت کرنے والا تم سے زیادہ کوئی نہیں ہے اور یہی میری نشتا ہے کہ میرے بے میری محبت میں تم برسوں بیتا رہ کر کھپائی کی طرح تڑپتے رہو، تاکہ میری روح کو راحت پہنچتی ہے۔ کیونکہ میرے خیال میں میرے لئے اب صرف یہی امر باعث تسکین ہو سکتا ہے کہ میرے عشق میں تم ساری عمر جلتے رہو، اب تم جاؤ یہاں سے اور مجھ سے دعا کرو کہ مجھ کبھی نہ جیو لوگے اور مجھے یاد کرنے کے لئے عرصہ دراز تک زندہ رہو گے۔ بس جاؤ اب جاؤ..... جاؤ۔ جلدی جاؤ..... جاؤ۔ جاڑی جی کی آواز بھرائی، مگر میں کیسے جاتا۔

”وتم جاؤ“ اُس نے پھر کہا۔ ”تم جاؤ..... جاؤ.....“ اور یہ کہتے کہتے اسکے چہرے کا رنگ تغیر ہو گیا۔ اُس نے اپنے اپنے ہاتھ کی کلائی سے اپنی آنکھیں چھ پالیں اور روتی ہوئی جھٹکے کھاتی ہوئی آواز سے کہا: ”..... جا.....“

جتم زندن میں ہیں رو رہا تھا وہ بھی رو رہی تھی اور ہائیں ہاتھ سے مجھے

بھیس کے مرغوں کے کس قدر اُس کے لئے تکلیف دہ تھے بھیکے کے بھیک اُس

کے حسین اور خوبصورت چہرے کی طرف بڑھ کر اُس کی آنکھیں پھوڑے دیتے تھے کہ دھوپیں کی سیاہی میں اُس کا چہرہ چھپ گیا۔ گویا چاند ریاہ بدلی میں تھا۔ میں نے بتیاب ہو کر دل میں کہا ”میں سے تم ایسے چھپی ہوئے جیسے چاند چھپے۔“ ”انہی بھری بدری“ وہ بادلوں میں چھپی ہی تھی کہ..... الامان..... ایک غمناک ”بھٹکائے“ کے ساتھ جو گرجے مشابہ بھی ایک دم سے اک بھڑک اٹھی۔ دھول غائب تھا اور اُس کا چاند سا چہرہ چمکا ہی تھا کہ شعلوں نے ایک خون کا چھپک ساتھ اُس کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اپنی آتشیں چاؤر نہیں لپیٹ لیا۔ یہ معلوم ہوا کہ جیسے دیکتے انکا روز پر کسی نے جو بصورت تلی ڈال دی تھی تھوڑھ کر اور کانپ کر رہ گئی۔ اوپر شمع زردن میں جا بڑی کا تین ناز میں ایک سنگینی ہوئی پھیلا نک لاش تھا میری ایک دم سے آنکھیں پڑھیں اور میں بادلوں کی طرح ایک سمت دوڑا چلا گیا۔

ر جائی تھی فنا ہو گئی مگر اُس نے نہ تو یہ بتایا کہ کوئی بات کا قاتل کون تھا اور نہ یہ بتایا کہ قاتل کس طرح ہوا۔

(۵)

دور و نزدیک میں نے کچھ نہ کھایا نہ پیا۔ چار گھنٹے کی لازوال محبت کا دیر تھا

کہیں اُس میں ڈوب کر رہ گیا۔ لیکن افسوس صد افسوس جیف ہو جا رہی تھی کہ  
خُن دھو اتی پر کہہ بی گئے عین و محبت کی میں نے ذرا پروانہ کی اوچترم زدن میں  
اُس کی نامراد جو انی: ادب سے عشق و محبت کی پاک یاد کی نہ صرف دل سے ملنا دیا  
بلکہ پتے پتے لفظ ”محبت“ کو میں نے جوتوں سے روند ڈالا۔

میں نے متاثر ہو کر جبریت سے پوچھا: ”وہ کیسے؟ حالانکہ میں نے آپ کی  
زبانی اس نامراد کا قصہ سنا ہو مگر میں صحیح عرض کرتا ہوں کہ جا رہی جی کی عجیب  
غریب محبت کی داستان میرے دل سے کبھی نکلے ہوگی پھر یہ کیسے ممکن ہے  
کہ آپ نے اس کو بھلا دیا.....“

”نہیں نہیں۔ بھلا نہیں دیا بلکہ اُس کی محبت کو پامال کر ڈالا اور بھڑکی.....“  
سا دھونے کچھ کہتے کہتے زبان روک لی اور پھر رُک کر کہا۔ ”یو ایسٹو کہ میں  
نے کس طرح جا رہی تھی جی کی محبت کا خون کیا۔“



# بانی شہرئی بھیبانی جی

\*\*\*

”میں نے تمہیں نہیں بتایا کہ میں کہاں کا رہنے والا ہوں۔ ٹھکانہ بوسٹو کے موضع کا نوٹری کا میٹر تیار امر سنگھ راتھور تمہارے سلسلے بیٹھا ہے، نہ معلوم وہ گاؤں ہے کہ مٹ گیا۔“

میں نے کہا: ”ہے میں جانتا ہوں۔“

”اچھا۔ تو اُسی گاؤں کا رہنے والا ہوں اور وہاں سے کچھ فاصلہ پر موضع سُجّان گڑھ ہے۔“

میں نے کہا میں سُجّان گڑھ کو بھی جانتا ہوں بلکہ وہاں تو کئی دفنہ گیا

۱۵ راجپوتوں کی ترم بھائی۔

بھی ہوں :-

۔ دھونے کہا: ”میرا ایک جگر می دوست میرا تیاخواری سنگھ تیا بوجت سے میں دیوانہ وار اپنے گاؤں بھاگا اور یہاں جنجا رسنگھ کی صحبت نے بہت کچھ غم غلط کر دیا۔ جنجا رسنگھ بڑا زندہ دل اور شیطاں تھا اور پرستہ میرا سنگھ ساتھ رہنے لگا۔ گو میرا دل دینا کی کسی چیز میں نہ لگتا تھا اور ہر دوست جاڑی جی کی عنناک جبین صورت سامنے رہتی تھی، لیکن جنجا رسنگھ کی زندہ دلی، کم از کم ایک وقتی دوستی بن کر سکون پیدا کر دیتی تھی۔

جاڑی جی جی کو بھیم ہوئے چوتھا جہینہ چلتا تھا کہ ایک روز کا ذکر ہے کہ ہم دونوں شکار کو گئے۔ ہم دونوں گھوڑوں پر تھے اور سارا درونہ (غلام) اونٹ پر تھا۔ شکار وغیرہ تو ملا نہیں اور ہم لوٹنے والے ہی تھے کہ کیا دیکھتے ہیں کہ دو اونٹ چلے آ رہے ہیں۔ آگے کے اونٹ پر ایک راجپوت بیٹھا تھا پیچھے کے اونٹ پر دو پردہ پوش عورتیں بیٹھی تھیں اور ان کے ساتھ ایک آدمی تھا جو درونہ معلوم ہوتا تھا۔

آہ! وہ بھی کیا زمانہ تھا۔ راجپوتوں کو اس میں مزہ آتا تھا کہ راستہ چلتے تو خود کسی سے جگر پڑیں۔ بازیر کر کے اس کا مال و اسباب بھین میں یہ

ڈاکہ نہیں تھا بلکہ خوشی کا سودا تھا جس کا جی چاہے ہماری سوانی مان لے اور  
 ہاتھ جوڑ کر مزے میں چلا جائے ورنہ ہم سے لڑے۔ مائے پامرے۔  
 جیخارست نگھ نے اونٹوں کو دیکھتے ہی کہا۔ ”آہا ہا ہا! چلو ان سے سوانی  
 منوائیں۔ کہنے کی دیر تھی کہ گھوڑوں کو ہم نے ہمیں کیا اور تلو اور سونت کہ  
 اونٹوں کا راستہ کاٹ کر کھڑے ہو گئے۔“

یہ دیکھتے ہی آگے دے اونٹ پر سے تڑپ کر راجپوت بچے کو کووٹلا اور  
 کڑک کر اُس نے ہماری گُٹانی کی وجہ پوچھی۔ ہم نے بتا دیا کہ ہم سوانی منوائے آئے ہیں۔  
 یسُن کر اُس نے پوچھا تم کون ہو؟  
 یس نے جواب دیا۔ ”میٹریا“

جیخارست نگھ نے اُس کو پھیرنے کی غرض سے کہا۔ ”میٹریوں کی سوانی مان لینے  
 میں تو ہیں نہیں ہوتی۔“

راجپوت نے طنز سے سر کو جنبش دیکر کہا۔ ”متھانہ کہہ چوہان تو نے نہیں دیکھے  
 ہوں گے“ عورتوں نے اُسے اونٹ کی طرف اُس نے انگلی اٹھا کر کہا۔ ”راجا پشور کی

---

۱۵ یعنی تم میرا ہم سوا میرا در تم سے بھاری ہیں۔ ۱۶ جو دھپور کا ایک چھوٹا سا گاؤں

---

ٹھکانی میری ہیں جو ہانی جی اور اس کی لڑکی ہے۔ اور کیا بہتر نہ ہو کہ ایک جو ہانی تمہیں چیتیاں مار کے بھگا دے۔ کل کے فوٹو بے چہ ہانوس سے سوائی منوانے آئے ہیں۔ یہ کہہ کر ہم دونوں کی طرف تھارت سے دیکھ کر اپنا کھانا ایمان میں رکھنے لگا۔

میں نے کہا ”ٹھا کر اسے یہ کھانا اکیلے کھاؤ اس کو میان میں کیا بغیر خون چیلے بیسی رکھو گے! میسریتوں کا خون تقاریر والے کھاناڑے ہی کو ملتا ہے معلوم ہوتا ہے تمھارے کھاناڑے نے اب تک بیل یا بھینس کی کاخن چکھا ہے..... لے اپنا کالو یہی طرح کھاناڑا اپنا وزن ہم لئے جاتے ہیں جو پانی جی کو“ یہ سن کر بھائی تو بھائی خود میں یعنی چوپانی اونٹ پر سے لٹکاری دے۔  
”ہے ٹھا کر اسے!..... مجھے تو دے سرو ہی“ اپنے دروغہ سے بولی اور لٹک کر کہا ”جھکا دے اونٹ

۱۷ بابی بھی بھیلوں کی طرح خبیثی مگر ازل تو م ہے۔  
۱۸ مارواڑی زبان میں داہا کیلے جی صیغہ جمع ہوتے ہیں تو مراد احترام و عزت ہوتی ہے۔  
۱۹ ٹھادے۔

اور اونٹ کے جھکے جھکے چوہاتی نے دروغہ کے کھرپکے سے سر ہی سونٹ لی اور پوری راجپوتی شان سے پردے کو خیر باد کہا چادر سے خوبصورت چہرہ نکلا اور ایک طرف کاٹا۔ ہسے چادر سرک کر نیچے آئی اور اونٹ پر سے بیٹھی بیٹھی اُس نے دونوں پیر ایک طرف کئے۔ اور ہم دونوں کو چیلنج کیا اور اپنے بھائی کو ڈپٹا جو کھانا مٹے سے ہمارے اوپر حملہ کرتے کو تھا۔

مگر میں تو اب کسی اور ہی طرف متوجہ تھا۔ ٹھکانے کی خوبصورت نوجوان لڑکی جو اُن کے آگے بھیٹی تھی ایک نر باسادگی کے ساتھ اپنی ماں کے کندھے کی طرف سے منہ پر سے چادر ہٹائے دیکھنے لگی اور میں اس کے ملکوتی حسن سے متاثر ہو کر ادھر دیکھنے لگا۔

ہم نے ٹھکانے کی صاحب کے ہاتھ چڑ کر کہا: ”ماتا جی ہم آپ سے نہیں لڑتے۔ نہ ہم آپ سے سوئی منواتے ہیں ہم تو آپ کے بھائی سے سوئی منواتے ہیں۔“ یہ کہہ کر میں نے اپنی تلوار نیام کھینچی اور چوہان کی طرف بڑھ کر ڈپٹ کر کہا: ”چھوڑ دے اپنا کھانا..... دلدارے کھانا۔ سوئی میری ہے۔“

چوہان نے ٹھکانے سے اپنا کھانا کھینچا اور دو ہتھوڑاں کر پٹیرا بلکہ کھڑکھڑا گیا۔ ظاہر ہے کہ اس خوفناک کھانا نے کی سیٹھیں بن گیا کوئی بھی آتا تو دو دو ہو جاتے۔

لہذا میں نے بابائے ہاتھ سے زمین پر سے ریت اٹھا لی اور وہ اپنے ہاتھ میں تلواریں  
 بٹھالتے ہوئے چوہان کے منہ پر پھینکنا شروع کی یہ کہہ کر کہ بول میری سوائی“  
 ..... مان میری سوائی“

چوہان آگ بگولا ہو گیا اور اس نے ایک دم سے گویا اڑ کر ایک زور کی  
 جھپٹ کے ساتھ اس زور سے کھانٹے کا دو تہتر دیا ہو کہ اگر بچا نہ جاؤ تو دو  
 ہو جائیں۔ میں نے تڑپ کر کھانا ڈالا دیا اور اس معافی سے تلواریں چمکادی کہ  
 بھر پور ہاتھ چوہان کے داہنے شانے پر پڑا خون کا فوارہ نکلا چوہان کے ہاتھ سے  
 کھانا اچھوٹ گیا۔ میں نے تلواریں کر کے نعرہ مارا۔ ”رہو بیکارا اٹھو۔۔۔۔۔ بول  
 سوائی میٹر تیا کی۔۔۔۔۔“ یہ کہہ کر میں چوہانی کے دروغہ کی طرف اپنے۔

چوہانی جی کا دروغہ سہم گیا اور میری تلواریں چمک سے وہ بول اٹھا۔  
 ”سوائی ہے میٹر تیا۔۔۔۔۔ سرداراں رہی۔۔۔۔۔“

ایک تو بھائی کا زخمی ہو کر گرنا اور دوسرے دروغہ کا ہماری سوائی  
 مان لینا چوہانی نے غصیناک شیرنی کی طرح شکست کی چوٹ سے بیتاب ہو کر

لے لٹھوڑوں کا قومی نعرہ یعنی لٹھوڑان کا بانگ ہو۔۔۔۔۔

ایک چنے کے ساتھ خود اپنے دروغ پر سروہی کا دوا کر دیا۔ اس نے کیوں ہماری سچائی مان لی اور جادو ٹھنٹی ہوئی۔ سروہی ہاتھ میں خون قاتان نظر سے ہمیں دیکھتی ہوئی اپنے بھائی کی طرف چلی۔ جو زخم کے صدمہ سے بیہوش پڑ تھا۔ چوہانی کی ماہیکر صاحبزادی صاحبہ بھی ماں کے ساتھ ماموں کی تیار داری کو بڑھیں۔ میں تو اس شعلہ خن کی جنبشوں کو دیکھ کر بیہوش سا ہو کر رہ گیا۔ لال بیٹیاں قریب پہنچیں اور چوہانی نے بھائی کا زخم دیکھتے ہوئے اپنے دروغ کو آواز دی کہ پانی کی چھاگل لائے۔ اُس غریبہ کی پشت میں سروہی کا اچھا سا زخم لگا تھا۔ وہ اُس کی دیکھ بھال میں شغول تھا۔ میں نے دوڑ کر اونٹ پر سے چھاگل کھولی اور لا کر چوہانی جی کو دی۔

مغرور ٹھکرانی نے تیور بدل کر چھاگل لی مگر جل کر کہا: ”ٹھاگل تمہارا سے جاؤ۔ جلد پرے۔“

ہم دونوں ذرا ہٹ آئے اور ہم نے دیکھا کہ ماں بیٹیوں نے کپڑے پٹا کر زخم کھولا۔ دونوں کے خوبصورت ہاتھ نون میں لال ہو گئے۔ ابھی ہم دونوں اس بارہ خن کو دیکھ رہے تھے۔ ظاہر ہے کہ ٹھکرانی کو یہ نظارہ بازی بہت نہ تھی اور اُس نے اب جھڑک کر ہم سے جانے کو کہا۔ ہم نے اب ٹھکرانہ مناسبت

بھھا اور ٹھکرانی کی طرف ہاتھ جوڑ کر ”جے شری ماتا“ کہہ کہہ کر ایک ایک کر کے تھیں۔ اور یہ کہہ کر میں اپنے شکست خوردہ دشمن کا کٹھا ہڈ لینے بھکا۔ فتح کی نشانی دشمن کی تلوار بھٹی تھی جو ٹھکرانی اپنے بھائی کو چھوڑ کر چرچ کر اٹھی اور کھانا اڑا اپنے قبضہ میں کر کے ہمیں ایک پٹ دی کہ بھھا گو۔ ہم نے کہا کہ جانے دو کھانا اور ”زیک“ کی ہے دوبارہ کہہ ایک دم سے سامنے سے گرد و غبار کا طوفان اور جو دھوٹوں کے نیچے نعروں کی آواز آئی سر اٹھا کر جو دیکھتے ہیں تو چھ سوار چلے آ رہے ہیں۔ ٹھکرانی کا چہرہ فق ہو گیا۔ بھائی کی تیار دایا چھوڑ کر اس نے ماتھا اپنا پیٹ لیا۔ اپنی خوبصورت لڑکی کا ہاتھ پکڑ کر کھینچ کر اپنے اونٹ کے پاس آئی کہ اتنے میں سوار قریب ہی آ گئے۔ ان کا سردار بھاری بھر کم آ دی کوئی ۵۳ برس کی عمر تھی پیکل سیاہ جام۔ ہاتھی گچھی سریہ۔ کان میں مندر سے بٹکے۔ اُس نے شاید ہمیں چوہانی جی کا آ دی بھھا۔ اور کڑک کر بولنا مان سوتی جو دھوٹوں کی..... لاؤ میری بھیلیانی۔ یہ کہہ کر اُس نے دو تینہ کی طرف اس طرح گھوڑ کر دیکھا کہ میرے تن بدن میں آگ ہی تو لگ گئی۔ نظریں کہہ رہی تھیں کہ کیا معاملہ ہے لڑکی کو لینا چاہتا ہی یہ معلوم ہو گیا کہ یہ ان لوگوں کو جانتا ہے و نیز یہ چوہانی جی



کے ٹھاکر بھائی ہیں۔

ٹھکرائی نے بھرائی ہوئی آواز سے اُس سے کہا۔ ”خیریت چاہتا ہو تو بول جا۔“  
اپنی بیٹی کے کنارے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ تجھے یہ زمانہ نہیں مل سکتی۔“  
میں نے کوٹ کر کہا۔ ”تم کون ہو؟“

خونفاک جو دھسے نے کہا۔ ”اے چھوکرے لاؤنوں کے جو دھنوں کو نہیں  
جانتا۔ (دروغہ کی طرف انگلی اٹھا کر) یہ میری ہے۔ تو کون ہے؟ دروغہ ہے  
چوہانی جی کا؟“

میں یہ کہنا تھا کہ غضب ہو گیا۔ خیار سنگھ کا اور میرا اس طعنہ پر راجپوتی خون  
کھولی گیا میں نے اپنے دروغہ کو گالی دے کر کہا۔ ”لاؤ تو میرا کھانا پڑا اور  
پھر ہم دونوں نے اس خونفاک جو دھسے کی طرف دانستہ پس کر کہا۔ ”جو دھنوں  
کے دروغہ را بٹھرتو جا۔“

چوہانی کا دروغہ ہمیں ہمت بڑھانے کو بولا بچے سوئی شری میٹریاں ری  
اُدھر اُس خونی جو دھسے نے جنبش کی ٹھکرائی نے جھٹ سے اپنی خوبصورت

۱۵ لاؤنوں نے غصہ سے ٹھکانا جو دھنوں پر۔

لڑکی کے ہاتھ سے کنگن اتار کر سامنے ریت پر پھینک دیا۔ اور ہماری طرف دیکھ کر  
جوش میں بکھاری: ”مے تیرے تیا بھائیوں کا کنگن۔ دیکھو تو یہی بھائیوں کا کنگن جو دھو  
جو دھو سے کیسے جیتا ہے۔ اس کنگن کی اور میٹریوں کے کھانڈے کی طرح  
آج تو تیرے ہاتھ ہے (لڑکی کا منکا ہاتھ اونچا کر کے بولی) یہ بھٹیانی تیری ہے۔  
دیکھتا کیا ہے سامنے کنگن پڑا اٹھا کر پہنا دے۔“

اب خود سوچیے کبیر کیا حال ہوا ہوگا۔ دوشیزہ بھٹیانی سے جو میری  
آنکھ ملی ہے تو اس کی خوبصورت آنکھوں نے کہا۔ یا کہ میں تیری لونڈی ہوں  
میرا نڈکا ہاتھ ہے اس میں کنگن پہنا دے۔  
میں تیزی سے کنگن کی طرف بڑھا۔

جو دھانے لکھا رکھ کہا: ”اودروغے! خبردار! کنگن میرا ہے یہ کہہ کر  
اپنے گھوٹے پر سے کود پڑا اور کھانڈا لے کر آگے بڑھا جس نے اپنا کھانڈا پیچھے  
چھینکا اور اپنے دروغ سے ڈھال لی اور لڑھوری ”اڈا“ چمکے آگے بیٹھا۔  
دیو پیکر جو دھانے پتیرا بال کر اپنا کھانڈا تو لا اور آگے سرک کر تھک گیا

۱۵ یہ نہایت ہلکی تلواد ہے جو سروی سے بھی زیادہ خمدار ہوتی ہے۔

چشمِ زون میں گزرنے کی طرح اُس نے میرے سر پر کھانا ڈرے کاڑا کیا۔ میں نے کھانا ڈا  
 ڈھال پر لیا اور لچھا دے ساتھ کمال بڑی پھرتی سے اپنا اونا چکایا۔ مگر جو دھامس  
 بچا گیا۔ دونوں پیچھے رہے۔ جو دھامس سمجھ گیا کہ اس پھرتی سے راجپوت کے خلاف کھانا ڈا  
 کام نہیں دے گا۔ لہذا اُس نے کھانا ڈا پھینک کر اپنی تلوار سوتی اُس کے دروغہ  
 نے لپک کر کھانا ڈا اسٹھالا اور ڈھال ہاتھ میں دیدی اور اب جو دھانے میرے اوپر  
 وار کرنے شروع کئے۔ مہلت نہ دی۔ ہر نیترو پر جو دھے کا قلم آگے تھا اور میں پیچھے  
 سر کٹنے پر مجبور تھا۔ جو دھاکا تینا ٹپ ٹپ کر میری ڈھال پر گر رہا تھا۔ ہر وار پر  
 معلوم ہوتا کہ میرے دو ہوجائیں گے مگر ڈھال موقع پر پیو پخ جاتی۔ اُس وقت  
 اُس جبین دوشینہ کا عجیب حال تھا۔ خوبصورت ہونٹ حیرت اور تعجب سے ذرا  
 کھلے ہوئے۔ اُس کو خبر بھی نہیں کہ چادر سرک کر کاٹھ سے گر چکی ہے اور چاند سا  
 چہرہ کھلا ہوا ہے۔ وہ تو جنگ کی کشمکش دیکھ رہی تھی۔ تلوار کی ہر ضرب پر اُس کے  
 خوبصورت اور جبین چہرے کے ذرات مٹن لڑ جاتے تھے۔

جو دھانے میرے سر پر ضربوں کی بارش کر دی تھی۔ جھنا جھن جھنا جھن جو دھا  
 کی تلوار میری ڈھال پر ٹپ ٹپ کر رہی تھی۔

دیکھتے ہی دیکھتے جو دھاکے پہلے حالے کا زور شور ٹھکسا معلوم ہوا۔ ضربات کی برق

نقداری ذرا ہلکی بڑی میرا پیچھے ہٹنا ذرا کم ہوا۔ کہ جو دھانے مکر بنا کر ایک وار جو کیلے تے تو کو اوجھا پڑا۔ مگر کچھ ہی کاٹ کر تلو اور میرے سر پہ نہ نظم دے مئی اور چشم زدن میں میرے سر سے بہہ کر خون چہرے پر آنے لگا۔ میں نے دیکھا کہ نوجون بھٹیانی کا چہرہ درخ و غم سے لرز کر رہ گیا۔ مگر نہیں۔ میرے بدن میں کافی خون تھا۔ اب دیکھ جان اور مضبوط بھی تھا۔ اور میری ہمت اور قوت میں ذرا فرق نہ آیا۔ گو میں برابر مارنا نہ خنک کر رہا تھا۔ منہ پر سے خون آتا وہ کندھے سے اپنے پوچھنا جاتا تھا مگر جو دھانے خنک تیغ بادل توڑ پڑپا کر میرے سر پہ گر رہا تھا کہ اتنے میں جو دھانے کا دوسرا وار میرے کندھے پر لگا۔ مگر ڈھال پر سے اوجھٹ کر لگا۔ لہذا اوجھا پڑا مگر تلو اور گوشت میں ضرور ٹھس گئی۔ اب مجھے ڈر لگا کہ کہیں مار نہ کھا جاؤ دو شیزہ اور اس کی ماں کی حالت قابل رحم تھی۔

مگر خوفناک جو دھانے بھی شل ہو گیا تھا۔ مسلسل تلو اور چلانا آسان نہیں ہے۔ ایک لمحے کا اُس کو آرام نہ ملا تھا۔ اُس کو نہیں معلوم تھا کہ میں اسکو تھکا دوں گا۔ اور دراصل وہ اب ہانپ رہا تھا۔ میں دراصل باوجود اپنے زخموں کے تازہ دم تھا۔ جو دھانے ہاتھ میں تھی اُگئی اس کی ضرب ایک گونہ تکلیف اور سستی کے ساتھ پڑ رہی تھی اور جو دھانے اب دیکھ لیا کہ اگر اور کچھ دیر یہی حال رہا تو ایسا شل ہو جائیگا

کہ اٹھا سا دھوا رہا ہو گا۔ غالباً یہی سوچ کر اور اپنی شکست سے ڈر کر ایسا کرنے اور جال چلی۔

میں نے ایسا ہنسا بند کر دیا تھا اور چٹان کی طرح ڈٹا کھڑا تھا کہ جو دھانے ایک دم سے نعرہ مار کر ایک بہر دست وار کیا اور ساتھ ہی اچھل کر اپنی ڈھال کی اوچھڑ میرے منہ پر ماری۔ جو دھال کی ڈھال کے سچوں بیچ میں ایک بانٹ سے بھر کا برچھا لگا ہوا تھا کہ بچانے اور مارنے دونوں کام میں آ سکے۔

میں نے وار کو تو ڈھال پر لگا دیا اور ڈھال کی اوچھڑ سے بچنے کو بچھا اڑا اور اڑتے ہی میں نے جو دھال کے بائیں شانہ پر ایسا جنیو کا ہاتھ دیا کہ اُونجا جو دھال کی اپنی پر جا کر گر کا۔ جو دھال کے ہاتھ سے ڈھال اور تلوار گری اور گرتے گرتے میں نے اُونے سے ایک طمانچہ کا ہاتھ جو دیا ہے تو رخصت کاٹا ہوا اُونجا کر جو دھال کے دوسرے گال کی ہڈی پر بولا۔

بیاختہ دونوں ماں بیٹیوں کے منہ سے نکلا۔

”جے سوائی مٹری میٹر تیا لے کھا ٹھاری“

میں نے نعرہ مارا ”رٹ رٹ بٹھا را مٹھور“ اور دیوانہ وار دوڑ کر اُونجا پھینک کر اپنا کھانا ڈالیا اور اُس میں گنگس پر و کرنا چنے لگا جو دھو میں سے کسی کی ہمت نہ تھی

آگے بڑھا۔

”جے شری میسرتیاں کھانا اری“ جنجا رسنگھ نے نعرہ مارا۔  
میں نے اپنا کھانا مارا بلنا کیا جو کنگن پہنے ہوئے تھا۔ جنجا رسنگھ دوڑ کر  
چوہانی جی کے پاس آیا۔ اور دوشیزہ کا دامن ہاتھ پیر کر اُس نے کھنچا اور مجھے  
آواز دی۔ دوشیزہ شرمائی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھنے لگی میں اگڑا  
مسکرا اٹھمیا نی کے پاس پہنچا۔ اُس نے میری طرف محبت بھری نگاہوں سے  
دیکھا اور میں نے پھرتی سے اپنے کھانڈے میں سے کنگن نکال کر اپنی محبوبہ کے  
نازک اور خوبصورت ہاتھ میں پہنا دیا۔ اور اُس کا ہاتھ اٹھا کر احترام سے اپنی  
آنکھوں سے لٹکا کر آہستہ سے چھوڑ دیا۔ اور چھوڑے ہی کھانا لیکر ہم دونوں گھوم  
کر اس طرف متوجہ ہوئے اور لٹکا کر ہم نے دشمن سواروں سے کہا:-

”بول سوائی شری میسرتیاں اری؟“

ہم چار آدمی تھے۔ دونوں ہم اور دو ہمارے دروغہ۔ اور پانچویں ٹھکرانی  
چوہانی جی جن کے ہاتھ میں سروی بھی۔  
دشمن نے ہماری سوائی نہ مانی اور ہم دونوں لپکے اپنے گھوڑوں کی طرف  
اور دروغہ کو آواز دی کہ لانا میری۔

مگر جو دھوں کی بہت پستھی غالباً ان میں سپاھی اور دروغہ تھے سب کے سب دم دیا کر بھاگے اور ہم نے اپنے جے کاروں سے ریگستان سریرہ اٹھا لیا۔

”جے سوائی شری میتر تیان رے کھا اڈاری“

(۷)

اس شعلہ نوجوان بھٹیانی نے دم کے دم میں مجھے دیوانہ کر دیا۔ ڈبو کر رکھ دیا۔ کہاں کی جاڑیچی جی اور کیسی جاڑیچی جی۔ موہنی سورت چمکتے ہوئے ”اونے“ کی طرح دل میں گھپ کر رہ گئی..... جاڑیچی کی محبت پامال کر ڈالی!.... جیف صد جیف۔ راجپوت بھی کیسا ظالم ہوتا ہے.....“

اتنا کہہ کر سادھو نذر ادیر کے لئے خاموش ہو گیا۔ اُس کی حالت قابلِ رحم تھی۔ میں نے بھی خاموش رہنا بہتر سمجھا کہ وہ خود ہی بولا:-

”..... جاڑیچی جی بیشک راجپوتنی حُن و خوبصورتی کا بہترین نمونہ تھی لیکن بھٹیانی اور ہی چیز تھی۔ میں کیا کہوں ایسی شکل شاید ایک ہزار برس میں راجپوتانہ پیش نہ کر سکے گا۔ تھہ ختم صورت کل تھی اُس کی کہ حُن کی تصویر جس کی نظریں اپنے محبوب مرد اس کے کلیجہ میں اتر جاتی تھیں۔ جو دھانے جو اپنی ڈھال کی برہمی

کا ہولا دیا تھا وہ میری ٹھوڑی کے پنجے لگا۔ بہت خفیف سا زخم تھا۔ سر کا زخم بھی کچھ زائدارہ تھا۔ اب سب سے پہلے تو ٹھکرائی نے اپنے بھائی کی مرمی کی۔ اُن کا نام رام سنگھ چوان تھا۔ چوانی کے ریشمی دوپٹے اور رومالوں کو جلا کر خم میں رکھا گیا۔ رام سنگھ جی کو ہوش آگیا تھا مگر قہامتھی میرے سر میں بھی ریشم بھر دیا گیا اور کنا۔ بھر پرین پڑا یا اندھ دیا گیا۔

ٹھکرائی نے مجھ سے کہا۔ ”آج میٹریوں کے کھانڈے نے بھائیوں کا لنگن جیت لیا ہے راکھو۔“ یہ (اپنی مٹی کی طرف اشارہ کر کے) بھٹیانی اب تیری اور تیرے کھانڈے کی چیری ہے۔ تو جان اور تیرے کھانڈے کی کمائی جی چاہے بھئی اپنی جیتی ہوئی کمائی اپنے گھوڑے پر بٹھا کر گھر لے جا اور جی چاہے میرے گھر چل اور دیکھ کہ راجا بدیشور کی ٹھکرائی اپنی مٹی کو کیا دا بچا (دھنیر یعنی جھیر) دیتی ہے۔ یہ سنتے ہی مارے خوشی کے میری جان کھینچے لگی۔ دل میں محبت کا درد سا ہونے لگا اور بس خوشی کے لہجہ میں بولا۔ مجھے ”دا بچا بچا“ کچھ نہیں چاہئے۔ مجھے تو میری بھٹیانی دیا رو۔“



یہ کہہ کر میں نے نوجوان بھٹیانی کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا۔ نوجوان دویشتر نے شرمناک اپنی ماں کی چادر کو پکڑا اور جگہ سے نہ ہلی۔ مائے شرم کے گرمی جانے لگی کہ میں نے ہنس کر کہا: ”لئے جاتا ہوں اپنی بھٹیانی رانی۔“ اور یہ کہہ کر میں نے گود میں لیکر پھول کی طرح اپنی بھٹیانی کو اٹھا کر اپنے گھوڑے پر بٹھا دیا۔ نوجوان دویشتر منہ پھپکا کر رونے لگی اور ٹھکرائی کی آنکھیں بھی تر ہو گئیں۔ جیجا رست نگاہ نے کھڑا ٹھکرائی کے قریب کر دیا۔ ماں بٹی کو دلاسا دینے لگی۔ اور چمکا کر کر بھیمانے لگی۔ میری تو یہی مرضی تھی کہ اپنی دہن کو لے کر ابھی لوٹ جاؤں کہ ٹھکرائی کچھ متفکر سی ہو گئی اور اندیشہ ظاہر کیا کہ راجلہ دیشور تک نہ جی بھائی کو لے جانا نہ صرف مشکل ہو گا بلکہ جو دھوں کے حملے کا خطرہ بھی ہو گا۔ یہ جو دھاجو مارا گیا ٹھکرائی کا بڑا زبردست دشمن تھا۔ لہذا یہ بات طے ہوئی کہ ہم دونوں راجلہ دیشور چلیں ٹھکرائی اور بھی خوش تھی کہ اپنی لڑکی کو ٹھاکا کیسا تھہر حضرت کر کے گی۔

میں نے مقتول کا کھانا ااپنے دروغہ اور ڈھال وغیرہ اور نہ یو جو کچھ بھی تھا ٹھکرائی کے دروغہ کو انعام میں دیدیا۔

(۸)

جو تھے روزنہ ہم راجلہ دیشور پہنچے اور فوراً طے کیا کہ میری دہن حضرت

کر دی جائے۔

الغرض سادی کی محفل گرم ہوئی بھائیوں کے چارہن اور بھاٹ چنگ لے کر آگئے۔ بھائیوں اور بیڑیوں کی تلواروں کے اذانے چنگ پر اڑنے لگے۔ بھائی دو آتشہ کے جام پی۔ پی کر بھو منے لگے۔ جلدی بن رنگ پر آیا میں دھو لھا بنا بیٹھا تھا اور پھر نے پرنے والے ہی تھے کہ بیڑیوں سے میری بہن کا دروغہ ایک ایسی سادی لایا کہ بس غضب ہی ہو گیا۔

وہ خبر وحشت اثر یہ تھی کہ جے پور کے کچھ لوگ اور مرہٹوں کے والے نے بیڑیوں کو لٹا لیا۔ تقسیم ہوا آگ دی اور دھو لھا۔ بیڑیوں کو چن چن کر لے کر لے کر یچ ڈالا اور خود میری بہن کے پاس بک گئی۔

لے رہے بیڑیوں کے تنوی شاعر۔

۲۵ جے پور کا پیرا ناقص بیڑیوں کے نام سے موسوم ہے۔

۲۶ کے میں بکنے سے مطلب یہ ہے کہ قصبہ فتح کر کے باہر نکلا۔ تمام راجہ بیڑیوں کو نہر باہر لے آیا کہ کسی عزت نہیں جاتی تھی اس نام چادر کو اپنے قصبہ میں کر لیا اور نہر میں ڈھنڈورا بجا دیا کہ راجہ بیڑیوں کے قتل ہوئے۔ چنانچہ جو دعوتوں کے (باتی منہ پر)

خدا کی پناہ! کیسی روح فرسا اور لرزادینے والی خبر تھی ایسے غصے کے میرا  
 منہ لال ہو گیا، بھائیوں کی بھرجی محفل میں میری آنکھیں جوش غضب سے دیوانہ ہو کر  
 میں ٹوٹ کر ابھرا۔ ہائیے کی ٹم کھائی اور فوراً میں نے اور خجاستہ گھر نے اپنے  
 اپنے کھاناؤں کے نیام توڑ ڈالتا کہ اب ہمارے کھانڈے تو کچھ اویں اور مرٹیل  
 کے بدن میں رہیں گے، میں نے اپنا کھانا منہ پر کھا دیکھتے سے لگا کر بطور اپنے  
 تمام مقام کے رکھ دیا۔ اگلے سے ہمارا دوسرے سہرا آتا، کہ اپنے کھانا ڈالنے سے کو  
 پینا دیا اور کہا کہ میں اپنی بن کی مدد کو جاتا ہوں، میری جگہ یہ میرا کھانا طلب ہے۔

(صفحہ ۱۰۱ سے آئے) رشتہ دار جا کر فی عورت، ایک کھانا اہل گھر کے چڑلاتے تھے۔ بہنیں ہوتا  
 تھا کہ عورت کو کوئی دوسرا آجی لے جائے صرف گھر کے مرد اپنی عورتوں کو چڑلاتے تھے  
 یہ کارروائی محض توہین کی غرض سے کی جاتی تھی اور اس کا نام رواج تھا۔

لہ کھانڈے کے پھیرے سے جائز شادی ہو جاتی ہے پہلے زمانے میں اکثر دواہا اپنی  
 بجائے اپنا کھانا دواہن کے گھر بھیجتا تھا اور کھانا دواہن کی طرح منہ پر رکھ دیا جاتا تھا  
 اور بالکل میں بھی دو لہا کی طرح جاتا تھا اور دواہن کھانا ڈالنے کے ساتھ رخصت ہو جاتی  
 تھی۔ بہت جگہ اب بھی یہی دستور ہے۔

دہن اس کے ساتھ پھیرے کھائے گی اور اپنے سُسر اور ساس سے میں نے اجازت چاہی۔

قصہ مختصر میں اور خجارت سنگھ دونوں کے دونوں فیور کے فیور اپنی بہنوں کی عزت کا بدلہ لینے کی قسم کھا کر شادی کی مجلس سے جانے کے لئے تیار ہو گئے۔ مگر ایک عظیم الشان فوت تھی جس نے مجھے گویا چلتے چلتے لمحہ بھر کے لئے روک لیا۔ جنگ پر جاتا ہوں، نہ معلوم لوٹوں یا نہ لوٹوں۔ کم سے کم اپنی بھینائی کو تو ایک دفعہ اور ردیکھ لوں۔ چنانچہ خجارت سنگھ کے دربار سے میں نے خفیہ طور پر اپنی اس خواہش کو اپنی ساس چوہانی جی برظاہر کر دیا۔ چوہانی جی نے میری التجا منظور کر لی اور نہ بھی کیوں کرتیں۔ انہوں نے تو مجھے میرے کھانڈے کی کمائی فیور کے فیور اُسی سوئپ دی تھی۔

اُس وقت سے میں کمرے کے دروازے پر پہنچا۔ پڑوے کو ہاتھ سے ہٹایا ہی تھا کہ کیا دیکھتا ہوں کہ کمرہ روشنی میں چمک رہا ہے اور ایک خوبصورت مہری پر بھینائی ننگینے کی طرح بڑی چمک رہی تھی۔ پردہ اٹھاتے ہی اُس نے میری طرف دیکھا اور اس کے چہرے پر ایک سُکراہٹ سی آئی پھر میرے دل پر ایک بجلی کو نہ کر

گرمی۔ ایک وارفتگی کے عالم میں بدیاب ہو کر میں اپکا اور اپنی خوبصورت بھٹیانی کو  
پنج محلے سے چٹایا اور.....!

خدا کی پناہ بخورت، ایک پُرفسوں نگر خاموش اور دلکش راگنی نہی جس کی ہر  
جنبش ایک دلہ وزان ہے۔ بھٹیانی نے اپنی پوری سحر کارانہ قوت کے ساتھ  
انتہائی محبت سے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھا نہیں بلکہ واقعہ یہ تھا کہ  
تارنظر کے ذریعہ اپنے ہوش ربا طاقوتوں کے میرے دل میں اتر گئی۔ آہ میرے  
دل میں جو جس محبت سے دردسا ہوتا معلوم دیا، ایسا کہ پنج محلے میرا سن تیزی  
سے چلنے لگا اور میں نے درد محبت کی ٹیس سے بدیاب ہو کر آہستہ سے بھٹیانی کو  
اپنے محلے سے ذرا علیحدہ کیا۔

بھٹیانی نے شرم سے اپنی محبت آمیز نظریں نیچی کر لیں اور میں نے دیکھا  
کہ عشق و محبت کا نور کس طرح اُس کے سین اور پر فسون چہرے کی  
چاندنی پر غلطان ہے۔

بھٹیانی نے پھر اپنے سردار کو ایک نظر دیکھا اور پھر آہستہ سے آنکھیں  
بچی کر لیں۔ میں نے مختصر سی باتیں کیں۔ بھٹیانی نے چند الفاظ میں اُن کا جواب دیا۔  
ہر جواب محبت کی ایک طولانی داستان تھا یہ واقعہ تھا کہ اگر بھٹیانی نے

اپنے محبت کے جادو سے دیوانہ کر دیا تھا تو میں نے بھی اُس کے تن بدن میں  
اُس پھونکنے لگی تھی۔

وقت کم تھا اور ہم دونوں جب لہو لے بیس نے پھر بھٹکیا کو گلے سے  
لگا لیا اور پچھلے اُسکو ماہی ہے آب کی طرح تڑپتا چھوڑا۔  
باہر بھٹکیا ہوں تو میری عجیب حالت تھی۔ جیسا کہ میں انتظار ہی تھا۔  
ہم دونوں نے فوراً ہی اپنے کھوڑے لئے اور روانہ ہو گئے  
جو دروغ پیغام لایا تھا اُس کی زبانی یہ معلوم ہوا کہ وہ میٹریوں کا جنگی  
دھون کھانٹو کے کانٹوں کی طرف گرجتا چھوڑ کر اب لہندہ ہم دونوں نے  
بھی کھانٹو کا رخ کیا۔

جب ہم میرا قی کے کانٹوں دھکیل یا میں ان پہونچے ہیں تو ہمیں اپنے  
جنگی دھونے کی پہلی گرج سنائی دی۔ اس گرج کے سننے ہی ہم دونوں کے  
منہ سے میا خستہ اپنا جنگی نعرہ نکلا۔

لہ، روتا کا ایک گاؤں۔

”زیرِ تہکار اٹھو“

دھونے کی پہلی ہی گرن پر بقول کے میٹر تیا اپنی دلہن چھوڑ کر دھونے کی طرف دوڑتا ہے۔

تیسرے ہی دن ہم اپنے لشکر سے کھانے آگے جاتے۔ ہمارا لشکر سیہاڑا ٹکائے کی طرف جا رہا تھا، جہاں دوسرے روز دشمنوں سے ہماری پہلی ٹکمر ہوئی۔

دشمن کے لشکر کو ہم نے چشمِ زدن میں پاش پاش کر دیا اور اب ہمارا دھونہ خونی دیہ کی طرح گر جتا میٹریں کو چار طرف سے اپنی جنگی آواز کے ساتھ کھینچنا میٹریں کی طرف لئے جا رہا تھا۔

میٹریں کے خونی کانٹوں پر ہمارا لشکر مریٹوں اور کچھو اہوں کے جم غفیر سے ٹکرایا۔ اور دھانی گھنٹہ کی انتہا سے زیادہ گھمان اور خونخاک مسلل جنگ کے بعد ہم نے دشمن کو سخت شکست دی۔ اور کھیرے گلڑی کی طرح کاٹ کر دھڑیا اور خونی میدان پر ہم اور ہمارے بھائی میٹریں، دشمنوں کے خون میں نہاتے اپنے خونچکان کھانڈوں کو بلند کئے دشمنوں کے لاشوں کو حقارت سے روند رہے

۱۵ جو دھوڑ ریلوے اسٹیشن بھی ہے۔

تھے۔ اور ہمارا جگلی دھونے ایک تختہ اور خون آشام دیو کی طرح اس بن خونی میدان  
جنگ میں گرج رہا تھا۔

(۹)

یہ اتنی بے باہم دونوں صرف دو روز میٹر تہ میں ٹہرے۔ اپنی بھینسانی سے  
ملنے کا شوق اس فتح سے اور بھی زیادہ ہو گیا۔ لہذا جلد ہی پہنچنے کیلئے ہم نے  
اپنے گھوڑے یہیں سے چھوڑے اور ایک صیاد رفتار سباناٹنی کو لے کر ہم  
دونوں ہوا کی طرح میٹر تہ سے نکل گئے۔

فراق یار میں میرا برا حال تھا۔ دن و رات منہ نہیں مارتے ہم ہر ابلہ شور  
کی طرف اڑے چلے جا رہے تھے ایک ناقابل بیان قوت بھی جو مجھے راجلہ شور کی  
طرف کشاں کشاں بجلی کی تیزی سے لے جا رہی تھی۔ جب میں سو جان گیا تو پہنچا  
ہوں تو رات کے دو بجے ہوں گے اور ہم نے یہاں تھوڑا آرام لینے کی  
ٹہرائی ایک چان چھان دو بیت کے یہاں ہم سو گئے۔ اور یہاں میں نے  
پھر وہی خواب دیکھا۔

”کیا دیکھتا ہوں کہ عجیب نور کا عالم ہے۔ ایک یقین نور ساجیش میں آتا ہے۔“



ان میں سے بھٹیانی کا چہرہ اپنی تمام سُن آرائیوں اور جلوہ آرائیوں کے ساتھ نمودار ہوتا ہے۔ ایک عشق تاباں ہے کہ سُن لرزاں تسم و متزلزل با کہ ایک دم چہرے پر ملوٹی بخیرگی آتی ہے۔ جو میرے دیکھتے ہی دیکھتے ایک دم سے جلال سُن کی صورت بن جاتی ہے۔ ایک سُن برہم ہے کہ سُن جلالی کا نورانی پیکر۔ مجھ سے آنکھیں چار ہوتی ہیں۔ میرے منہ سے نکلتا ہے ”بھٹیانی“ اور اُس ”ظلم سامری“ کا داہنہا تھ اٹھتا ہے۔ کلمہ کی انگلی بلند ہوتی ہے اور ایک دم سے انگلی شمع کا نور کی طرح مشتعل ہو جاتی ہے! خدا کی پناہ! انگلی کی عجیب و غریب نورانی روشنی سے بھٹیانی کا چہرہ ٹٹھا اٹھتا ہے بلکہ بھڑک اٹھتا ہے۔ میں پوچھتا ہوں: ”یہ کیا؟“ ایک عجیب انداز سے بھٹیانی جواب دیتی ہے ”مے مے مے سورا یہ تمہاری ہی محبت کی ابتدا ہے“۔۔۔۔۔ ایک چرخ کے ساتھ میری آنکھ کھل جاتی ہے کہ خجیا رنگ بھی جاگ اٹھ ہم نور آردانہ ہو گئے۔ پوچھت رہی تھی اور ہماری سانڈنی وسیع میدان کی ریت میں ہوائی جہاز کی طرح اڑی چلی جا رہی تھی۔

---

ہم جلد از جلد راجلاریشور پہنچے۔ میں نے اپنے خواب کا حال خجیا رنگ سے بھی نہیں بیان کیا تھا۔

---

ہجاری سانڈ فی ٹھیک میری سُسرال کی پھاٹک پر رُک کی اور اب میرے عزیز  
میں تجھ سے اب کیا کہوں کہ ہم نے وہاں کیا دیکھا؛ جس وقت ہم پہونچے وہ پہر کا  
وقت تھا۔ اور جو کچھ بھی ہم نے وہاں پہونچکر دیکھا یا سنا وہ بیان سے باہر ہے  
گھر ماتم کہہ دینا ہوا تھا اور ہم پہونچے ہیں تو جو بھی وہاں موجود تھا اس پر بخوبی نگری  
کیا یہ سب کچھ ممکن تھا یا ممکن نہ تھا؟ واقعہ تو واقعہ ہی تھا! حیف صد حیف۔

یہاں پہونچکر ضعیف العمر سا دھوکا ڈال کر بھڑکائی اُس کی خشک آنکھوں میں  
نہی سی معلوم دی اور وہ رک گیا، اُس نے مجھ سے پانی کا اشارہ کیا۔ ساتھ  
کی دیوار کی طرف اُس نے اشارہ کر کے مجھ سے ایک پتھر مٹانے کو کہا۔ میں تجھ  
کیا میں نے پانی لینے کا کفول لیا اور پتھر کو یہ سمجھ کر مٹایا کہ یہاں کوئی گھڑا رکھا  
ہوگا لیکن میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب میں پتھر کو مٹایا تو روشنی نمودار  
ہوئی اور اندر ترنگل سا نظر پڑا۔ ساتھ کوئی ڈیڑھ فٹ پہاڑی چشمتہ تھا جو تیزی  
سے بہہ رہا تھا۔ میں اندر داخل ہوا تو حیرت تو استعجاب کی حد نہ رہی۔ کوئی سو گڑ کا  
لبا چوڑا اچھوٹا سا جنگل تھا جو چاروں طرف نہایت ہی بلند پہاڑیوں سے گھرا ہوا  
تھا۔ نہ صرف اُس کی زمین میں بلکہ ہر چہار طرف دیواروں اور ٹیلوں میں صد ہا درخت  
تھے، جہاں امرود اور شرفیہ اور ککروندوں کے درختوں کا جنگل کا جنگل تھا

نے جلد ہی جسے چشمہ کے شکول میں پانی بھرا اور لاکر سا دھوکو دیا۔ سا دھو  
نے دُعاؤں کے ساتھ پانی لیا۔ ایک دو گھونٹ پی کر پیالہ رکھ دیا۔  
پھر اپنا قصہ شروع کیا۔

ہمارا بی بی شہرہ کی شادی نچ کی خبر پہنچ چکی تھی۔ مگر آج ہی ایک دردناک  
ورنائی یہ خبر لایا کہ میں لڑائی میں کام آگیا اور نوجوان بھتیجا بی بی وہ ہو گئی۔ چنانچہ  
میں سناؤنی کے آتے ہی نوجوان بھتیجا بی بی نے وہ گڑھی لی جو دردناک اور زانی  
یا تھا اور سستی ہونے وہ کب کی مسان پر پہنچی۔ بلکہ کیا عیسیٰ ہو بھی چکی۔

یہ خبر سنتے ہی میں پرچ پرچ پاگل ہو گیا اور ہم دیوانہ وار مسان کی طرف  
دوڑے جو شہر سے زیادہ دور نہ تھا۔ ایسے بے تحاشا دوڑے ہیں کہ کبھی  
دوڑے ہوں گے ابھی لوگ اس طرف جا ہی رہے تھے، کوئی انہیں رہا تھا لہذا  
بیاہ ہوئی کہ ہم وقت پر پہنچ جائیں گے۔ یہ خیال کر کے اور بھی اس باختم ہو کر  
دوڑے اور چشم زدن میں مسان پر پہنچ گئے۔ ایک ہم غفیر تھا اور ہمیں فوراً جیکاروں  
موجہ سے معلوم ہو گیا کہ بھتیجا بی بی چتا پر چڑھ چکی ہے۔ یعنی چتا میں اس کو بٹھا کر  
اگ لگا دی جا چکی ہے۔ آسان پر دھوئیں کے مرغولے اس کی تسبیق کر رہے  
ہے۔ لیکن جلنے والی تک آگ ذرا دیر میں پہنچتی ہے۔

توپ کے گولے کی طرح ہم دونوں جمع پیر کر دھکیلے ہوئے پسو بچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ نور کے سانچے میں دھالی اور میری وفادار بیوی بھٹیانی آگ کے سچوں نیچ میں بیٹھی ہے اور ہمارے دیکھتے ہی ایک دم سے وہ شعلوں میں لپٹ گئی۔

میں نے بھٹیانی کو دیکھا اور اس نے جھکو..... کیسے ہم دونوں کی آنکھیں چارہ بیویں میں نے غم سے چھانی پٹلی اور بیسنے سے میرے ایک غم کی جج علی کہ کڑا! اور اُدھر بھٹیانی کے محبت بھرے سینے سے ایک دلہ وزخج نکلی ہے کہ چمکیا تیتا! ایک ہٹا سا ہوا..... اور عالم کائنات کے کٹ کر دو ہو گئے!

بھٹیانی نے ٹرپ کر شعلوں سے نکلنے کی کوشش کی..... مگر بیکار اس کا آدھا جسم جل رہا تھا..... وہیں کی وہیں ٹرپ کر میری طرف دیکھتی رہ گئی اور شہت اور مصیبت کی شدت سے ایک دم سے اُس کا چہرہ خوفناک اور بھیاںک ہو گیا۔

مجھ سے امسا د کے لیے اُس نے وحشت زدہ آنکھیں بھاڑ کر اور ٹرپ کر ایک اور دلہ وزخج لگنا چاہی بھی کہ شعلوں نے اس زور سے اُس کے معصوم اور نازک نہ خراب پر آگ کا خوفناک تھڑ لگائے کہ گال کی چٹری اُدھر کر گر پڑی اور اس کا بدن وہیں تھر تھر کر رہ گیا۔ جسم زون میں آگ کا ایک جہنم تھا کہ جو تیزی سے بھڑک رہا تھا اور اُس میں کودنے کی میں ناکام کوشش کر رہا تھا میری آنکھیں بند۔

ہو گئیں اور میں بہوش ہو کر گر گیا۔

اس کے بعد میں کتنے دن تک دیوانہ وار گھومتا رہا اور کوئی قوت تھی جو مجھے اس جگہ لائی۔ مجھے ہوش آیا ستمبر ۱۸۱۵ء کی تاریخ سنی چیت بدھٹ تھی میں ہوش میں تھا اور میں نے آگ کو کوسا اور قسم کھائی  
تو رانا بیاہنیں کھاؤں سائے واسی پوندہ  
ماڈیٹھاں تو بالیاں بھٹانی جی روہڑ

آج پونے دو سو برس ہونے آئے میں نے کوئی آگ کی پکی ہوئی چیز  
ہیں کھائی مگر آج تک بھٹانی جی کی محبت کی آگ میں برابر جل رہا ہوں اور  
جاڑی جی اور بھٹانی جی کی پاک اور متعاس رو میں آج پونے دو سو برس سے  
سوانح کی خاموش اور تاریک گھاؤں میں گھومتی رہتی ہیں۔ اور جب رات آتی  
ہے تو میرے سامنے دونوں کی دونوں اپنی چٹاؤں پر بیٹھ کر آ جاتی ہیں اور  
یہ خوفناک ڈرامہ برابر جب سے روزانہ رات کو میرے سامنے ہوتا رہا ہے۔

لے لے بے غیرت واسی پوندہ آگ میں اب کبھی تیرا بچا ہوا نہیں کھاؤں گا (غضب ہو کر)  
تو نے میرے دیکھتے دیکھتے بھٹانی جی کی ہریاں جلادیں۔

اور یہی راز ہے میری اس مُردہ زندگی کی طوالت کا۔ مگر اب میرے گناہوں کی شاید تلافی ہو چکے۔ اے میرے اپنی عزیز وہ مٹی اور وہ لاشہ میں ہی ہوں مجھے جلا نامت اور جس چشمہ سے پانی لائے ہو اسی میں مجھے ٹنڈا دینا.....

جے ہو شہری جاڑ پیچی جی گی

جے ہو شہری بھٹیانی جی کی

خدا حافظ

سادھو کی گردن ایک طرف ڈھلک گئی اور وہ مُردہ تھا۔ میں نے جلدی سے سادھو کی وصیت کی تعمیل کی اور جس قدر جلد ہو سکا غار سے نکل کر نیچے پہنچا۔

سو رنج ڈوب رہا تھا اور میں نے مُڑ کر دیکھا کیا دیکھتا ہوں کہ وہی سفید بلی میری طرف دیکھ رہی ہے۔ میں نے قدم تیز کئے اور چرائے جلے اپنی جائے قیام پر تھا

————— (۱۰) —————

اب جس سے کہتا ہوں وہ یہی کہتا ہے کہ بھول کر بھی کبھی سوانہ کی گھٹاؤں کی طرف نہ جانا اور نہ ابھی زندہ ہونا مشکل ہے۔ کوئی کہتا ہے وہ مقامی

تخیل تھا اور کوئی کہتا ہے کہ فرد تم نے کوئی خواب دیکھا ہے اور میں کہتا ہوں  
کہ واقعہ اور خواب میں فرق ہے اور جہاں تک میں غور کرتا ہوں یہ خواب  
ہیں تھا۔ واللہ اعلم۔

﴿﴾

ختم شد

پرنٹروپ کٹیلینٹکو  
محاسب الدین ایف۔ آر۔ ایس۔ لندن  
مطبوعہ نظامی پریس ہاؤس۔

